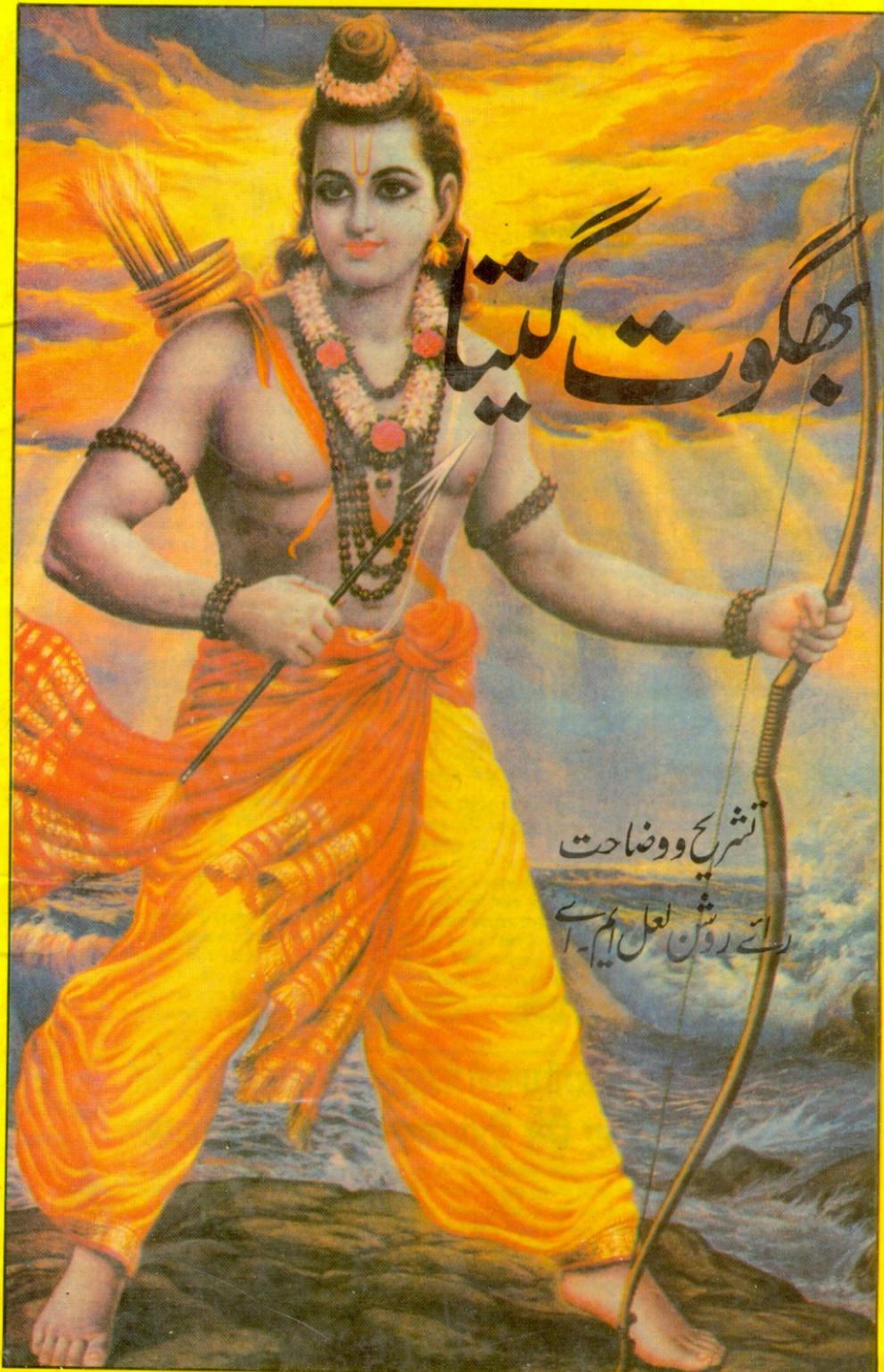


بھکوت کیا

تشریح ووضاحت
راتے روشن لعل ہمیں



بھگوت کیتا

تشریح ووضاحت : رائے روشن لعل ایم۔ آ

ISLAMIC BOOK CENTRE
Near Masjid-e-Muqaddas
Urdu Bazar, Karachi,
Mehilat; 022-4046053

فکشن ہاؤس
۱۸- فرنگ بسود، لاہور


جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب = بھگوت گیتا
تشریح ووضاحت = رائے روشن عل
نظر ثانی = یا سر جواد
پبلشرز = فکشن ہاؤس
18_ مزگ روڈ، لاہور

فون: 7237430, 7249218,

پروڈکشن	=	ظہور احمد خان / رانا عبدالرحمان
معاون	=	ایم سرور
پرنٹر	=	بریمیشور پرنٹر لاهور
سرور ق	=	ریاظ
اشاعت	=	1996ء
قیمت	=	80/ روپے

فہرست

1	تمہید
3	عرض حال
5	دو باتیں
7	ارجن کا دکھ
10	آریہ دھرم
19	کششی دھرم
23	بے لوث ہو کر عمل کر
25	قائمِ العقل انسان
29	عمل میں جہت جانا (کرم یوگ)
34	دھرم کا زوال اور ظبور حق
38	بے لوث عمل کی عظمت
39	گمراہ کن مجت پھوڑ دو
42	ضبط نفس
43	من
44	ترزیکیہ نفس
49	ضبط نفس کا طریقہ
56	بھگوان کی لطافت
58	چار قسم کے بھگت
62	آخری وقت کی سوچ، اگلے جنم کی بنیاد
65	ورد خدا
68	حصول خدا
72	نور جمالی

77	جلوہ حق
89	بھگتی حاصل کرنے کی ریاضت
94	حاضر ناظر لیکن غالب
99	تمن فطری صفات
105	میں افضل ترین ہوں
108	دیوتائی اور شیطانی صفات
118	تمن قسم کی عقیدت
124	نجات کا راز
133	بے لوث عمل کی کتاب ۔۔۔ گیتا

تہمید

آج سے تقویا پانچ ہزار سال پسلے کروشیت کے میدان میں مہابھارت کی جنگ عظیم واقع ہوئی۔ اس کا مرقع مارشی دیدویاس جی نے اپنی لافقی نظم "مہابھارت" میں کھینچا ہے۔ یہ جنگ سلطنت کے لئے، ملک و مال کے لئے، مادی دنیا کے لئے لوی گئی۔ لیکن اسی جنگ کے اندر ایک اور جنگ بھی لوی گئی جس کو باطنی اور روحانی جنگ کہنا چاہئے۔ یہ فرائض اور جذبات کی جنگ تھی۔ اس کا نقشہ بھگوت گیتا کے لازوال اشعار میں کھینچا گیا ہے۔

واقعات یوں ہیں کہ سر زمین ہند کے بہادر سپوت پاٹو اور کورو اپنے اپنے لشکر صرف آراء کئے کھرے ہیں۔ ارجمن رتھ پر سوار ہے۔ شری کرشن اس کا رتھ چلا رہے ہیں اور اس کی درخواست پر رتھ کو دونوں فوجوں کے درمیان لا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ ارجمن کوروں کی فوج کی طرف نگاہ ڈالتا ہے اسے نظر آتا ہے کہ کہیں اس کے گورو کھڑے ہیں، کہیں پچھا کہیں بھائی کہیں غالو کہیں بیتھتے کہیں دوست، سب ایک دوسرے سے جنگ کے لئے تیار ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر اس کا دل نرم پڑ جاتا ہے۔ اس کے من میں ایک اور جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ کشری کی حیثیت سے لڑتا اس کا دھرم ہے۔ رحم دل انسان کی حیثیت سے لڑتا اور پھر اپنے عزیزوں سے لڑتا اس کے لئے ادھرم ہے۔ یہ دھرم اور ادھرم کی جنگ، یہ فرائض اور جذبات کی جنگ اس کے دل کو کمزور کر دیتی ہے۔ وہ اس اندر ہونی جنگ کی رہنمائی بھی شری کرشن کے پرد کر دیتا ہے تاکہ وہی اس کے من کے رتھ کو بھی چلا میں، اور خود جذبات سے متاثر ہو کر اپنی کمان پھینک دیتا ہے اور رتھ میں دل شکستہ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

اب شری کرشن مہاراج اس کو وعظ دیتے ہیں۔ اس کی ٹولی ہوئی ہمت کو پھر استوار

کرتے ہیں۔ اس کو راز عالم سے آگاہ کرتے اور بتاتے ہیں کہ یہ راجہ ممارا ہے، یہ لشکری یہ فوج و سپاہِ محض فریب نظر ہیں۔ سب کاموں کا کارن (علت) خود خدا ہے جس کو زوال نہیں۔ انسان کو سب کام خدا ہی کے کام سمجھ کر کرنے چاہئیں۔ خدا کی رضا کے سامنے فرائض کی تکمیل کے وقت انسان کو سب کام ذاتی تعلقات اور جذبات سے بلند ہو کر کرنے چاہئیں۔ اسی سلسلہ میں شری کرشن بے لوث عمل، پیغم عمل اور معرفت کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ارجمند اس روحاںی قوت کے مل پر پھر ادائے فرض کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔

مہابھارت میں لکھا ہے کہ راجہ دھرت راشٹر، دریودھن کا باپ اور کوروں کا جد امجد، آنکھوں سے ناپینا تھا۔ جنگ کے آغاز میں ممارشی ویاس جی، دھرت راشٹر کے پاس گئے اور فرمایا، ”اگر آپ جنگ کا نظارہ دیکھنا چاہتے ہیں تو میں آپ کی آنکھوں کو بینا کرنے کے لئے تیار ہوں۔“ لیکن دھرت راشٹر نے کہا، ”میں اپنے ہی خالدان کی تباہی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھنا چاہتا۔“ اس پر ممارشی ویاس جی نے اس کے مطلب (سوٹ) یا بقول دیگر وزیر کو، جس کا نام سنبھل تھا، ایسی باطنی نظر عطا کر دی کہ وہیں بیٹھے بیٹھے وہ جنگ کا نظارہ کر سکتا تھا۔ وہ سب کچھ دیکھتا جاتا اور راجہ دھرت راشٹر کو جنگ کے سب واقعات سناتا جاتا۔ غرض سنبھل نے پہلے فوجوں کے انتظام اور اہتمام کا ذکر کیا اور پھر دھرت راشٹر کے سوالوں کے جواب میں تمام گیتا سنائی۔

خواجہ دل محمد

عرض حال

میں کوئی دانشور نہیں ہوں۔ مجھے تو سنکرت پر بھی عبور حاصل نہیں۔ جب میں لاہور میں مجھریٹ لگا ہوا تھا تو ان دونوں مہاتما گاندھی کا ایک مضمون میری نظر سے گزرا جس میں انہوں نے گیتا کی بے حد تعریف کی تھی۔ اور یہاں تک لکھ دیا تھا کہ جب تک گیتا موجود ہے، ہندو و ہرم زندہ ہے۔ گاندھی کے یہ الفاظ میرے دل میں گھر کر گئے۔ سو میں نے ہندی اور سنکرت پڑھی۔ گیتا کو سنکرت میں پڑھا اور زبانی یاد کیا۔ اس کے بعد یوگ شاستر، سانکھ شاستر، ویدانت شاستر اور تمام اپنڈ پڑھے۔

پہلے مجھے سنکرت کی کتابوں سے نفرت تھی، لیکن گیتا نے آنکھیں کھول دیں۔ گیتا انمول ہیروں کا ایک خزانہ تھی، جو میری آنکھوں میں چھپا پڑا تھا۔

لیکن اب جب سے گیتا کا سرور آنے لگا ہے، باقی سب کتابیں ہاتھ سے چھوٹ گئی ہیں۔ اب نہ تو یہ سکھیر پسند آتا ہے، نہ فارسی کا حافظ اور نہ ہی غالب۔ حافظ اور غالب پہلے مجھے حفظ تھے، لیکن گیتا سے آشنائی کے بعد ان کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

گیتا کو جوں جوں پڑھتے جائیں، اس کی شان بڑھتی جاتی ہے۔ ہر بار پڑھنے پر نئی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی کشش بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے ملنے والی شانتی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔

میرے دل میں خیال آیا کہ ہمارے پاس گیتا جیسی بیش بہا کتاب موجود ہے اور ہم اس سے بہرہ در نہیں، اس لئے گیتا کی تعلیم پر خیالات آسان عبارت میں لکھ کر لوگوں میں گیتا کا پرچار کرنا چاہئے تاکہ عام لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں۔

میں نے اس "گیتا امرت" میں گیتا کے ہر ایک باب سے چند ایک نمائندہ اشلوک چن کر ان کی وضاحت آسان زبان میں کر دی ہے۔ اور کوشش کی کہ مضمون بے لطف بہ ہونے پائے۔ گیتا پر بڑے بڑے اہل علم نے عمدہ سے عمدہ کتابیں لکھی ہیں جن پر عقل عش عش کر اٹھتی ہے۔ میں تو ان بزرگوں کی خاک پا بھی نہیں۔

خدمت گار

روشن لعل

دو باتیں

”گیتا“ دراصل ”مہابھارت“ کی قدیم داستان کا ہی ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ آہستہ آہستہ ہندو دھرم کی سب سے اہم اور بنیادی کتاب ہن گئی۔ اس میں بھگوان کرشن اپنے بھگت ارجن کو پیدا رنے کی ہدایت کرتے ہوئے وہ تمام سماجی و روحانی اصول و قواعد زیر بحث لاتے ہیں جو ہندو دھرم کی بنیاد بن گئے۔ کیتا محض ایک کتاب ہی نہیں بلکہ برصغیر کی روحانی تاریخ کا واضح ترین باب بھی ہے۔ اس کتاب کی فہرست ابواب اور مشمولات پر ایک نظر ڈال لینے سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ اس میں اس خط کی سوچ کا کون کون سا پہلو سماں یا ہوا ہے۔

روشن لعل نے نامندرہ اشعار اور ان کی تشریع کے ذریعہ گیتا کا جو ہر اس مختصر سی کتاب کی صورت میں مجسم کر دیا۔ اس آسان فرم تشریع سے ہمیں گیتا کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ یہ موازنہ کرنے کا موقع بھی ملتا ہے کہ کون سی روایات نے مل کر گیتا کو بنایا اور اس سے کون سی روایات نکلیں۔ ہندو اسے بھگوان کا کلام کہتے ہیں۔

گیتا کے مختلف نام ہیں، جن میں گیتا امرت، بھگوت گیتا سب سے زیادہ مشور ہوئے۔ روشن لعل نے یہ کتاب لکھنے سے قبل گیتا پر کاش، گیتا کمیج اپریش، گیتا رتن، گیتا گیان، گیتا پھول مala، اور گیتا چپ مala لکھی تھیں، جن میں گیتا کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی۔ لیکن ”گیتا امرت“ ہی ان تمام پہلوؤں کا مرقع ہے۔ مصنف نے اقبال، حافظ، مولانا رومی، معجزہ ولدی اور کچھ دیگر شاعروں کے حوالے دے کر گیتا کو بہت وسیع القلب پتا دیا ہے، جس کا اندازہ پڑھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

یہ کتاب تقييم ہند سے قبل چھپی تھی لیکن سن اشاعت درج نہیں۔ میرے دادا گلاب شاہ کو ان کے ایک سکھ دوست نے تحفہ میں گیتا پیش کی تھی، جو مجھ تک پہنچی۔ اسے اگر جوں کا توں شائع کر دیا جاتا تو بہت سی اصطلاحات اور الفاظ ہندی اور سکرت ہونے کی وجہ سے سمجھنے آتے۔ اسے قابل فہم بنانے کے لئے زبان کو آسان بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لہذا انداز بیان میں کہیں کہیں ترمیم کرنے کے ساتھ ساتھ ان تمام ہندی اصطلاحات کا اردو ترجمہ لکھا گیا ہے جو قاری کے لئے مشکل کا باعث بن سکتی تھیں۔ خواجہ دل محمد نے ”دل کی گیتا“ کے نام سے گیتا کا منظوم ترجمہ کیا تھا۔ نظر ثانی میں اسے بھی سامنے رکھا گیا۔ اہم اصطلاحات کا ترجمہ لکھنے کے علاوہ انہیں اصل حالت میں بھی بریکٹ کے اندر لکھا گیا ہے۔ تاہم ”دھرم“ ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا ترجمہ ممکن نہیں۔ عام طور پر تو اس کا مفہوم بطور ”ذہب“ لیا جاتا ہے، لیکن درحقیقت اس کا مطلب ہے ”راست باز رویہ“ (Righteous course of conduct) ہے۔ کچھ اہم اصطلاحات کی وضاحت روشن لعل نے خود ہی کر دی تھی۔ بحیثیت مجموعی ساری کتاب میں تمام خیالات اور بنیادی مفہایم کو سمجھنے میں عام قاری کو بمشکل ہی کوئی وقت پیش آسکتی ہے۔ بہرحال، ہر موضوع علم کی اپنی اپنی ضرورتی ہوتی ہیں، جنہیں پورا کرنے کی کوشش کرنا ذہین قاری کے اپنے ہی فائدہ کی بات ہو گی۔

یاسر جواد
مسیٰ ۹۶ء۔ لاہور

ارجن کا دکھ

دریودھن نے دھوکے سے اپنے چھپرے بھائی۔ پانڈوؤں کا راج چھین لیا تھا۔ پانڈوؤں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح جگ و خونزیزی کے بغیر ہی انہیں اپنا راج دوبارہ حاصل ہو جائے، مگر ان کی تمام کوششیں اکارت گئیں۔ جب کوئی چارہ نہ رہا تو لاچار پانڈوؤں نے اپنی طرف سے شری کرشن جی کو دریودھن کے پاس بھیجا، تاکہ وہ اسے راج واپس کر دینے پر آمادہ کریں۔ شری کرشن جی نے دریودھن کو بہت سمجھایا کہ وہم اور عدل بہیش بھائیزیں ہیں، ان کا دامن کبھی نہیں چھوڑتا چاہئے۔ تمہاری بھائی اسی میں ہے کہ پانڈوؤں کو ان کا راج لوٹا دو۔

راج دریودھن کو اپنی طاقت کا گھمنڈ تھا، اسے اپنی فوج پر ناز تھا۔ لذدا وہ اپنی ٹھکتی (وقت) کے نشہ میں بدمست ہو گیا۔ وہم اور عدل و انصاف کی یاتیں بھلا وہ کہاں سننے والا تھا۔ اس نے شری کرشن جی کو صاف صاف کہہ سنایا: ”جگ کے بغیر میں پانڈوؤں کو سوئی کی نوک برابر زمین بھی واپس کرنے کا روادار نہیں اور راج تو بہت دور کی بات ہے۔ اگر پانڈوؤں میں ہمت ہے تو میدان جگ میں اتریں۔ کبھی مانگنے سے بھی راج ملا کرتے ہیں؟“ آنجمام کار جب پانڈوؤں کے لئے تمام راہیں مسدود ہو گئیں، اس مقولہ کے مطابق کہ ”جگ آمد جگ آمد“ انہوں نے دریودھن سے جنگ کرنے کی مہمانی۔ دونوں کی فویں آئنے سامنے صفائی آ رہا ہو گئیں۔

چنانچہ مظیری ہے کہ پانڈوؤں اور کوروؤں کی فویں مرنے کو تیار کھڑی ہیں۔ پانڈوؤں میں ارجمن سب سے بڑا سورما اور بہادر جگجو ہے، بلکہ مہا بھارت کی جنگ کا ہیرو۔ بھگوان کرشن کا سچا بھگت (معتقد) ہے۔ بھگوان کرشن خود ہی اپنے بھگت کی رختہ پالی کر رہے ہیں۔ ارجمن دونوں فوجوں کے درمیان کھڑا ہو کر مقابل کے لشکروں پر نگاہ ڈالتا ہے تو پسے قریبی رشتہ داروں کو مرنے کا دل موه (محبت) سے بھر جاتا۔ وہ سوچتا ہے: ”اوہ! جگ سے تو بڑی تباہی ہوگی۔ لاکھوں جائیں تلف ہو جائیں گی۔ روں عورتوں کا سماں لٹ جائے گا، لاکھوں بچے یتیم اور لاوارث ہو جائیں گے۔ پورے

کے پورے خاندان مٹ جائیں گے۔ یہ ہم کیا کر رہے ہیں۔" ان خیالات سے اس پر گہراہٹ طاری ہو جاتی ہے، جسم کیپا اٹھتا ہے، آنکھوں سے نیر (آنسو) بہ نکلتے ہیں، باٹھ تھر تھرانے لگتے ہیں اور دھش (مکان) ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑتا ہے۔ ارجمن جنگ کرنے سے صاف انکار کر رہتا ہے اور کرشم بھی سے مخاطب ہو کر کہتا ہے: "بھگوان! میں فتح کا مقنی نہیں۔ اور نہ ہی مجھے راج اور آسامش چاہئے۔ راج، دھن دولت یا زندگی سے ہمیں کیا فائدہ، جب ہمارے رشتہ دار یا عزیز ہی نہ رہیں؟"

پھر کہا:

"اے بھگون! چاہے میرے یہ رشتہ دار مجھے مار ڈالیں لیکن میں ان پر ہرگز دار نہ کروں گا۔ چاہے ائمیں مارنے سے مجھے تین دنیاوں کا راج ہی کیوں نہ ملتا ہو، پھر بھی میں ان پر ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ تھوڑی سی زمین کا تو ذکر ہی کیا ہے؟" یہ کہہ کر ارجمن وھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور تیر و کمان پھیلک کر رتھ کے کوئے میں پیٹھ گیا۔ پنڈت دینا تھہ مدن مجرم بلوی نے گیتا کا منظوم ترجمہ کیا ہے، جس کا نام "مخزن اسرار" ہے۔ انہوں نے یہ بات کیا خوب انداز میں بیان کی۔

انہوں نے اس باب کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

مجھ کو تو خواہش نہیں سامان فتح و عیش کی
یقیں ہیں مری نظر میں مال و جاہ و زندگی
باپ دادا، بیٹے پوتے، اقراءِ عاموں گرو
سالے اور سرے ہیں دونوں لشکروں میں جنگجو
مارنا ان کا نہیں منظور، مرتا ہے قبول
مجھ کو دنیا اور نہتے کا نہیں شوق حصول
بھائیوں کا قتل کرنا ہے سراسر ناروا
جب نہ ہوں اپنے یگانے، زندگی کا لطف کیا
حیف میں دھبہ لگاؤں اپنے ننگ و نام پر
اپنی بہبودی کی سوچوں بھائیوں کو مار کر
گر کوئی شہ زور کورو، میرے جسم اور روح کو
فتح سے اس دم جدا کروے، بہت ہی خوب ہو
کہ کے یہ الفاظ ارجمن رتھ میں داخل ہو گیا

ڈال کر تیوکماں، افسوس میں ڈوبا ہوا
 یہ ہے گیتا کا پہلا باب ہے ارجمن و شادیوگ کہتے ہیں، کیونکہ اس وقت ارجمن محبت
 کے جذبات سے مغلوب ہو کر بہت رنجور ہو رہا ہے۔ اس باب میں ارجمن کے مضطرب دل
 کی حالت کی تصویر پیش کی گئی ہے۔

آریہ دھرم

دوسرے باب میں یوں آتا ہے کہ:

جو ارجمن کا دیکھا یہ رنج و ملال
غم و سوز دل میں طبیعت نڈھال
نظر دکھ سے بے چین آنکھوں میں نم
تو بھگوان بولے ازراہ کرم

”اے ارجمن! اس نازک موقع پر تمہارے دل میں رشتہ دار عزیزوں کی محبت کیوں الہ
آئی ہے۔ یہ تو آریہ اصولوں کے خلاف ہے۔ یعنی آریہ لوگ کبھی لونے سے منہ نہیں
موڑتے۔ وہ مت جاتے ہیں، لیکن جنگ میں ہرگز پیٹھ نہیں دکھاتے، بلکہ دشمنوں کے ساتھ
خم ٹھوک کر لڑتے ہیں۔ اور وہ مقابلہ کرتے ہوئے جان پر کھلیل جاتے ہیں۔ میدان جنگ
سے بھاگ جانے سے تو نزک (جنم) ملتا ہے اور بڑی رسومی ہوتی ہے۔“

سنکریت الفاظ میں یہ بات یوں لکھی گئی ہے:
کلیشم۔ ماسم۔ گما۔ پارتح۔ نہ اتیت۔ توہنی۔ اپ۔ پدیتے۔

کھیودرم۔ ہردے۔ دور بلیم۔ تیکڑا۔ اشٹھ۔ پرن۔ تپ

ترجمہ: اے ارجمن! نامرد مت بن، تو کھتری ہے؛ جنگ کرنا تیرا میں دھرم ہے، جنگ
سے منہ موڑتا تیرے شایان شان نہیں۔ دل کی کمزوری کو دور کر اور جنگ کے لئے کھڑا ہو
جا۔

خواجہ دل محمد کے الفاظ میں:

”یہ کم ہمتی چھوڑ، کر جی کڑا
عدو سوز ارجمن کھڑا ہو کھڑا“

مجھر صاحب دہلوی کے الفاظ میں:

”نامناسب ہے منٹ کا عمل، اے نیک نام
کاہلی اور بزرگی اب چھوڑ لے ہمت سے کام“

یہ سن کر ارجن نے روتے روتے عرض کی:
 ”اے بھگوان! معزز ہیں دادا بھیشم اور درویں ہیں گرو۔ بہاؤں میں تیوں سے ان کا
 لبو؟ وہ تو قابل پرستش ہیں۔ یہ بھلا کیسے ممکن ہے کہ میں انہیں مار ڈالوں۔“
 ”قابل تعظیم لوگوں کو مار کر میں گدائی میں جینا زیادہ بھلا سمجھتا ہوں۔ ان بزرگوں کے
 خون سے لتمرا ہوا راج مجھے نہیں چاہئے۔“
 بے الفاظ خواجہ دل محمد:

”میں ان خیر خواہوں کا خون گر کروں
 تو عشرت کے لئے لو سے بھروں“
 یہ کہہ کر ارجن نے کمان زمین پر پھینک دیا اور لڑنے سے صاف انکار کر کے رتح کے
 کونے میں بیٹھ گیا۔

جبال کا مٹے بے خلل مجھ کو راج
 مجھے دیوتا بھی صبح دیں آکے باج
 میں اس حال میں بھی رہوں گا اوس
 اسی درد سے گم ہیں میرے حواس۔ (دل)

آتما امر ہے!

ارجن کی یہ گھبراہٹ دیکھ کر بھگوان کرشن اسے سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں: اے ارجن،
 تیرا افسوس اور رنج فضول ہے۔ تم غلطی پر ہو۔ تمہارا دل فریب خورہ ہے۔ تم جسم کو آتما
 (روح) سمجھ رہے ہو۔ روح کبھی فنا نہیں ہوتی، فنا تو فقط جسم کو ہے اور جسم ہمیشہ بدلتا رہتا
 ہے۔“

منکرت زبان میں:

انت۔ دنت۔ اسٹے۔ دیما۔ نری۔ اوکتا۔ شریر نزا۔
 اناشی۔ نوا۔ اپرھے۔ سی۔ تسممات۔ ید حسیوب۔ بھارت۔

ترجمہ: اے ارجمن جسم مٹ جانے والا ہے، روح کبھی نہیں مٹی، یہ لافقی اور دامنی ہے
اس لئے اے ارجمن تو یہ بات سمجھ کر اٹھ اور پیدھ کر۔
خواجہ دل محمد کے الفاظ میں:

وہ قائم ہے، دامن ہے اور بے حدود
ہے فانی بدن، آتما لازوال
پر ارجمن ہے کیوں جنگ میں قیل و قال
معجز صاحب نے بھگوان کرشن کے اس اپدیش کو یوں منظوم کیا:
مکر باطل پر تجھے یہ گھنگو زیبا نہیں
عاقلوں کو زندگی اور موت کی پروا نہیں
گوفا ہے جسم کو لیکن بقا ہے جان کو
یہ اضافی شے نہیں تو جنگ سے بے خوف ہو

صاحب! بھگوان شری کرشن چندر جی نے جو آتما کو دامنی اور غیر فانی کاما ہے، یہ ایک
ایسی مسلسلہ صداقت ہے جو کسی تصدیق دتا نہیں کی محتاج نہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی ہمتیاں اس
بات پر یقین رکھتی ہیں۔ بلکہ چشم پینا یعنی "گیان کی آنکھ" رکھنے والوں نے آتما کو بخوبی
دیکھا ہے اور اس کے مرحونے کی صداقت کو جانچا اور تسلیم کیا ہے۔
جسم ایک ڈبیا ہے اور روح اس کے اندر ایک ہیرا۔ جسم بلب ہے تو روح اسکے اندر
بچلی کا کرنٹ۔ جس طرح ڈبیا کے ٹوٹ جانے سے ہیرے کا کچھ نہیں بگزتا یا بلب کے ٹوٹ
جانے پر بتی رو کو کچھ نقصان نہیں ہوتا ویسے ہی جسم کے فنا ہونے سے روح کو ذرہ برابر
صدمة نہیں ہوتا۔

انگریزی زبان کا مشہور شاعر لائک فیلو کرتا ہے:

"Dust thou art to dust returnest
was not spoke of the soul."

(یعنی روح فتا سے بالاتر ہے۔ فتا پذیر صرف جسم ہے۔ جسم ہی مٹی سے بنتا ہے اور
آخر میں مٹی ہو جاتا ہے۔)

سر علامہ محمد اقبال کہتے ہیں۔

زندگی کی آگ کا انعام خاکستر نہیں

ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں

مطلوب یہ کہ زندگی کی آگ کبھی نہیں بجھتی، یہ ہیش سے منور ہے اور ہمیشہ منور رہے گی۔ زندگی ایک ایسا موتی ہے، جو کبھی بھی نہیں ٹوٹتا۔ یہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک رہے گا۔

مشهور فارسی شاعر فیضی کا شعر ہے۔

تغیر بہ جم است و جان فارغ است

حوادث بریں است و آل فارغ است

مطلوب یہ کہ تبدیلی جسم کے لئے ہے، روح کے لئے نہیں۔ روح تغیر و تبدل سے مطلق آزاد ہے۔ یہ ہیش ایک سی حالت میں رہتی ہے۔ حادثے جسم پر ہوتے ہیں، روح پر نہیں۔

بہ الفاظ دیگر جسم پیدا ہوتا ہے اور بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی منازل طے کر کے مر جاتا ہے اور پھر پیدا ہوتا ہے، لیکن آتما نہ پیدا مرتی ہے، نہ رتی ہے نہ اس کے لئے بچپن ہے نہ بڑھاپا اور نہ آئی موت۔ ازل سے اس کا ایک ہی رنگ ڈھنگ ہے۔

نہیں آتما کو تغیر و زوال

حوال اس کو پائیں نہ پچھے خیال

(دل)

شری کرشن جی پھر کتے ہیں: نہ۔ بنستیتے۔ نہیں۔ نہ۔ شریرے۔

ترجمہ: جسم کے فنا ہونے پر روح فنا نہیں ہوتی۔ روح پیدا ہوتی ہے نہ مرتی۔ یہ ہیش سے ہے اور ہیش رہے گی۔

اس اسلوک کا ترجمہ مجزع صاحب نے یوں کیا ہے۔

روح کبھی پیدا نہیں ہوتی، فنا ہوتی نہیں

جسم میں آتی نہیں، انکر جدا ہوتی نہیں

یہ ہیش سے پاک و برتر ہے زوال و نقص

سے

اس کو موت آتی نہیں مٹنے سے خالی جسم کے

پیارے دوستو! ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دنیا ظاہر میں ایک ماتم کدھ و دھھائی دیتی ہے، موت کا چکر قیم روای ہے۔ ہر روز ہزاروں جاندار لئے اجل بنتے ہیں۔ چند، پرند، حیوان، انسان،

امیر غریب، فقیر توگر، پچہ جوان پیر، کسی کو بھی اس سے مفر نہیں۔ دشت ہو یا گلشن، دیرانہ ہو یا شر، یہ ہر جگہ ہمہ وقت موجود ہے۔ الفرض موت بھی ہوا اور پرانی کے مانند ایک عام چیز ہے۔ اور جب ہم اس کی عالمگیر تباہ کاریوں کو دیکھتے ہیں تو ہم پر خنث گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ ہمیں ازحد افسوس ہوتا ہے کہ آہ! زندگی کا انجام کتنا حسرت تاک اور پر درد ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم فریب کا شکار ہیں۔ موت کا اثر صرف جسم پر ہوتا ہے۔ روح ہوت سے ماورا ہے۔ زندگی تو ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جب ہم تھک جاتے ہیں تو قدرت کچھ دیر کے لئے موت کی صورت میں ہمیں آرام بھم پکنچاتی ہے۔ میر ترقی میر کا شعر ہے۔

موت اک زندگی میں وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
مراقباں بکے بی دو شuras تصور کے غماز ہیں۔
ہے اگر ارزال تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

اور

موت کو سمجھا ہے غافل اختام زندگی
ہے یہ شام زندگی، صحیح دوام زندگی
مطلوب یہ کہ موت اس قدر سستی ہے اس قدر وسیع ہے تو اس سے خوف زدہ نہیں
ہونا چاہئے، کیونکہ موت سے زندگی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ موت سے زندگی کا تابتا
نہیں ثابت ہیسے سونے سے زندگی میں کچھ خلل نہیں پڑتا۔ اور موت زندگی کا اختام نہیں
شام ہے اور ہیتلی کی صحیح۔
انگریزی کا مشور شاعر ٹینی سن کرتا ہے:

None	is	born,
None	will	die,
All	must	change.

مطلوب یہ کہ کوئی نہ پیدا ہوتا ہے نہ مرتا ہے۔ سب تبدیل ہو رہے ہیں۔ جو کچھ بھی
دنیا میں نظر آ رہا ہے، وہ تغیر و تبدل کا ایک سینما ہے اور اس کی تھہ میں روح جنم، من،

تغیر، تبدل سے بالاتر ہے۔

جو ہے سب کے تن میں کمیں آتا
یہ داعم ہے فانی نہیں آتا۔
(دل)

اپنے اپدیش کو جاری رکھتے ہوئے شری کرشن جی مزید کہتے ہیں
واسامنی۔ جی بنائی۔ ستما۔ وہاے۔ نوانی۔ گرہنڑا۔ نزو۔ اپرانی۔
تھنا۔ شریر اڑی۔ وہاے۔ جی بنائی۔ ایمانی۔ نیاتی۔ نوانی۔ دسی۔

ترجمہ: اے ارجمن! انسان جیسے پرانے کپڑے اتار کرنے پن لیتا ہے، ویسے ہی روح
بھی پرانا جسم چھوڑ کر نیا جسم اختیار کر لیتی ہے۔
بے الفاظ مجرم صاحب۔

آدمی جیسے پرانے کپڑے دیتا ہے اتار
اور پہنتا ہے نیا پاکیزہ جامہ بار بار
جان بھی اپنے پرانے قالبوں کو چھوڑ کر
ذالتی ہے روشنی دیگر نئے اجسام پر
ایک ہنگالی شاعر نے اسی خیال کو یوں بیان کیا ہے۔

جیوں بدل لیندے اسی ہور کپڑے
تویں بدلتے آتا تن سونہرا

کٹھ اپنہد میں بھی آیا ہے کہ آدمی دھان کی طرح کپتا ہے اور دھان کی مانند پھر پیدا ہوتا
ہے۔ جس طرح کھیت میں دھان پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے، کپتا ہے، پھر پیدا ہوتا ہے۔ اسی
طرح انسان کا جسم پیدا ہوتا، بڑھتا اور پھر پک جانے پر مرتا ہے۔ پھر روح، نیا جسم دھار لیتی
ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔

گور و ارجمن دیوبھی سکھ منی صاحب میں فرماتے ہیں۔

آون جاون اک کھیل رچایا
آگیا کاری کینی مایا

یعنی پرما تا نے آتا کے لئے جسم دھارنا اور جسم چھوڑنا ایک کھیل بنا رکھا ہے۔
دوسرے الفاظ میں ایک جسم چھوڑ کر دوسرے میں جانا روح کے لئے ایک کھیل ہے۔
جسم پر اکرتی (عناصر اربعہ) سے بنا ہے اور پر اکرتی پرما تا کے حکم سے ظہور پذیر اور

مendum ہو رہی ہے۔ پر اکرتی کے ظہور کا نام زندگی اور مendum ہونے کا نام موت ہے۔
بھگت کیرجی کا شعر ہے۔

جس مرنے سے جگ ڈرے، میرے من آئند

کب مرے ہوں، کب پائے ہوں، پورن پرم آئند

یعنی جس موت سے ساری دنیا گہرا تی ہے میں اسے عین سکھ اور راحت سمجھتا ہوں۔
میں ہر وقت اس بات کے لئے بے تاب ہوں کہ کب موت آتی ہے اور مجھے پر بھو درش
(دیدار الٰہی) نصیب ہوتے ہیں۔ میں تو موت کی راہ تک رہا ہوں۔ اس کے لئے ترس رہا
ہوں کہ کب آئے اور مجھے پر بھو کی گود نصیب ہو۔ جس میں انتہائی آئند (طمانتی) حاصل
ہوتا ہے۔ سراج القاب کا شعر ہے۔

خوگر پرواز کو پرواز میں کچھ ڈر نہیں

موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں

مطلوب یہ ہے کہ جس طرح اڑان کے عادی پرندے کو اڑنے میں کوئی ڈر نہیں محسوس
ہوتا، اسی طرح موت بھی اس پاغ عالم میں روح کے لئے سوائے پر افشاںی کے اور کچھ بھی
نہیں۔ یعنی روح کے لئے موت اسی قدر آسان ہے جس قدر کہ پرندے کے لئے اپنے پر
پھیلا کر اڑتا۔

صاحبان! یہ جسم ایک پنجرو ہے، جس کے اندر روح کا پرندہ مقید ہے۔ یا یوں کہتے کہ
جسم قید خانہ ہے، جس میں روح قیدی ہے۔ جسم سرائے ہے اور روح کی حیثیت اس مسافر
کی سی، جو اس میں کچھ دیر کے لئے ٹھرا ہوا ہے۔ مگر یہ ہماری کیسی بھول ہے کہ ہم نے
پنجرو کو چن کر بھج رکھا ہے۔ قید خانہ کو گھر اور سرائے کو اپنا وطن سمجھے ہوئے ہیں اور اس
عارضی چیز پر دیوانہ وار لٹو ہو رہے ہیں۔
چنانچہ سراج القاب کہتے ہیں۔

قیدی ہوں اور قفس کو چن جانتا ہوں میں

غُربت کے غم کدے کو وطن جانتا ہوں میں

مطلوب یہ کہ میں جس چیز کو چن سمجھ رہا ہوں وہ درحقیقت ایک پنجرو ہے۔ جس کے
اندر میں بند ہوں، جسے میں وطن سمجھتا ہوں۔ اصل میں یہ مسافر خانہ ہے جو درد و الم کا گھر
ہے۔

فارسی کے مشہور شاعر عمر خیام فرماتے ہیں کہ جسم ایک خیسہ کی مانند ہے اور روح ایک

پادشاہ کی حیثیت سے اس کے اندر تحری ہوئی ہے۔ جب شہنشاہ روح ایک منزل پر کچھ دیر قیام کے بعد دوسری منزل کی طرف رخ کرتی ہے تو موت پہلی جگہ سے جسم کا خیمہ اکھیز کر پھینک دیتی ہے اور دوسری جگہ جا کر نیا خیمہ لگاتی ہے۔ ان کی رباعی ہے۔

خیام ستت بِ خیمہ سے مادر است
سلطان روح است و منزش دار فاست
فراش اجل زبر دیگر منزل
از پا گلنے خیمہ کہ سلطان برخاست
اردو کے ایک شاعرنے اسی رباعی کا مظہوم اردو ترجمہ یوں کیا ہے۔

خیام یہ ڈھائج جس سے خیمہ ہے تا
سلطان ہے روح، اس کی منزل ہے فا
فراش اجل دوسری منزل کے لئے
خیمے کو آھاڑے گا، کہ سلطان گیا
نامور مسلمان صوفی شاعر مولانا روی بھی اسی موضوع پر فرماتے ہیں۔
از بھادی مردم نای شدم
وزنا مردم بِ حیوان سرزدم
ترجمہ: میں پھر سے مر کر درخت میں آیا اور درخت سے مر کر حیوان بنا۔
آگے کتے ہیں۔

مردم از حیوانی و آدم شدم
پس چہ ترزم کہ زمودن کم شدم
ترجمہ: پھر حیوان سے مر کر انسان ہوا۔ پس کیوں ڈروں کہ مرنے سے گھٹ جاؤں گا،
کیونکہ ہر بار مرنے سے میرا درجہ بڑھ رہا ہے، گھٹ نہیں رہا۔
آگے کتے ہیں۔

حملہ دیگر عدم از بشر
تابر آرم از ملائک بال و پر
ترجمہ: انسان کے جامہ میں آگر پھر مروں گا تاکہ انسان سے فرشتہ ہنوں۔
آخر میں کتے ہیں۔

بار دیگر از ملک قربان شوم

آنچہ اندر وہم نہ آید۔ آں شوم

ترجمہ: فرشتہ بننے کے بعد جب مرجاں گا تو مرکر فرشتہ سے وہ ہو جاؤں گا جو وہم و
گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ یعنی خدا میں سما جاؤں گا۔
ارجن کے دل پر روح کی لاقانیت کا نقش بخانے کے لئے شری کرشن جی پھر کرتے ہیں:
نہ۔ اینم۔ چھند نتی۔ شترانی۔ نہ۔ اینم۔ دھنی۔

پاؤ کا۔ نہ۔ چہ۔ اینم۔ کلید۔ نتو۔ آپ۔ نہ۔ شوشٹی۔ مارڈ تاہ۔

ترجمہ: روح کو تکوار نہیں کاٹ سکتی، آگ نہیں جلا سکتی، پانی گیلا نہیں کر سکتا، ہوا
اسے سکھا نہیں سکتی۔

بے الفاظ خواجہ دل محمد صاحب۔

کئے گی نہ تکوار سے آتما

جلے گی کماں نار سے آتما

نہ گیلی ہو پانی لگانے سے یہ

نہ سوکھے ہوا میں سکھانے سے یہ

اسی خیال کو ٹیفی صاحب نے یوں ادا کیا ہے۔

نہ سو زد بہ آتش نہ آبش برد

نہ مستی نہ غفلت نہ خواہش برد

ترجمہ: روح کو آگ جلا نہیں سکتی اور پانی اسے بہا کر نہیں لے جا سکتا۔ یہ مستی سے
مدہوش اور بے خبر نہیں ہوتی اور اسے نہ ہی اوٹگھ آتی ہے۔ یہ ہمیشہ جاتی ہے۔

کیونکہ روح بذات خود زندگی اور بذات خود بیداری ہے۔

مجر صاحب نے اسی خیال کو یوں پیش کیا۔

آگ میں جلتی نہیں، تکوار سے سکتی نہیں

یل سے گلتی نہیں، طوفان سے سکتی نہیں

اس کا جانا، کثنا، گلنا، خشک ہونا ہے حال

یہ ہے ساکن خود، خود قائم محیط و لازوال

کھشتری دھرم

”ہیں ارجمن وہی کھشتری خوش نصیب
ملے معرکہ جن کو ایسا عجیب“
روح کی ابدیت کا وعظ کرنے کے بعد شری کرشن چندر جی ارجمن کو اب کھشتری دھرم
پر درس دیتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ اے ارجمن، تو کھشتری ہے۔ دھرم کی خاطر یہ کرنا تیرا عین دھرم ہے،
تو اپنا فرض پہچان، تمیس ایسے وقت میں پہچانا بالکل نہیں چاہئے، کیونکہ
دھرم۔ یاد ہی۔ یہ حاتم۔ شرے یو۔ انبت۔ کھتریہ۔ نہ دویے۔

ترجمہ: کھشتری کے لئے دھرم یہ سے بڑھ کر اور کوئی چیز اطمینان بخش نہیں اس لئے
یہ میں ڈٹ جا۔ بھگوان اگلے اشلوک میں میں پھر کہتے ہیں:
ید ر۔ اچھا۔ چ۔ ا۔ نہ۔ سورگ۔ دوارم۔ اپارتم۔
سمیانا۔ کھتریا۔ پارتح۔ لمحت۔ یہ دھرم۔ اپر شم۔

ترجمہ: اے ارجمن! ایسی جنگ جس کی خواہش تو نہ کی جائے لیکن جو اپنے آپ پر بغیر
خواہش مسلط ہو جائے اور جو یہ دھرم کی حفاظت کے لئے کیا جائے، اے ارجمن ایسا یہ ہے،
دھرم یہ کھلاتا ہے۔ ایسے یہ کرنے کا موقع نصیب ہو تو سمجھو کہ گویا سورگ کا دروازہ
خود بخوبی کھل گیا ہے۔ ایسا یہ تو خوش نصیب کھشتريوں کو ہی ملتا ہے۔

اس اشلوک کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو جنگ کرنے کے ارادے سے ہرگز جنگ
نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے اور مظلوم کو ظلم سے بچانے کے لئے
جنگ کرنا عین دھرم ہے۔ اس سے انسان سیدھا سورگ میں جاتا ہے۔

اگلے اشلوک میں کہتے ہیں ”اے ارجمن! اگر تو آج کا دھرم یہ نہ کرے گا تو دھرم
اور عزت دونوں گنو بیٹھے گا۔ ادھری (لامہب) ہو جائے گا۔ اور پاپ کا مستحق ہو گا۔“

صاحبان! ساری گیتا کا نچوڑا اسی ایک اشلوک میں ہی آجاتا ہے۔
ارجمن کہتا ہے کہ جنگ کرنا گناہ کبیر ہے اور اس سے سخت جنم ملے گا۔ چنانچہ وہ جنگ

کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس کے جواب میں شری کرشن جی کہتے ہیں کہ نہیں ارجمن! یہ تمہاری بھول ہے آگر تم آج کی جنگ نہ کرو گے تو لازماً مہاپاپی ہو جاؤ گے اور نزک (جننم) میں جاؤ گے۔

بس اسی بات میں گیتا کا جو ہر ہے۔ جس جنگ کو ارجمن مہاپاپ سمجھ رہا ہے، اسی جنگ کو بھگوان عین ثواب اور عظیم سلکی بتلاتے ہیں۔ اگر یہی بات قارئین کی سمجھ میں آجائے تو سمجھو کو کہ گیتا کا اصلی راز انکی سمجھ میں آگیا۔ اس لئے قارئین سے التاس (پر ارتھنا) ہے کہ پسلے تو دھرم یدھ کا مفہوم سمجھیں کہ یدھ کب دھرم یدھ ہوتا ہے۔ اس کا مختصر جواب یہی ہے کہ جب انسان کے پلے دھرم اور صداقت ہو، اور دھرم پر تھا اور دریو دھن اور دھرم پر۔ اس لئے ارجمن کے لئے یہ یدھ دھرم یدھ تھا۔ دھرم یدھ کرنا کار عظیم ہے۔ اور دھرم یدھ سے پلوٹی کرنے والا سیدھا جنم میں جاتا ہے۔

یدھ کے لئے جو پہلی بات ضروری ہے وہ یہ کہ آپ دھرم پر ہوں۔ پہلو راستی کا ہو، اور دھرم اور پاپ کی حمایت نہ کی جا رہی ہو۔

یدھ میں فتح کے لئے دوسری ضروری بات طاقت ہے۔ جب تک آدمی یا اس کی جماعت میں طاقت نہ ہوگی، وہ فتح یا ب نہیں ہو سکے گا۔ لہذا دھرم پر ہونے کے ساتھ ساتھ طاقت کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ دشمن کو مار کر خلکست فاش سے دوچار کیا جاسکے۔

بھگوان کرشن کا وعداً سننے نے پسلے ارجمن کنی سال تک گرو درویں آچاریہ (عظیم معلم) کی شاگردی کر چکا ہے، بلا کا تیر انداز ہے، اس کی ٹھنکتی اور طاقت کا کوئی ٹھکانہ نہیں بلکہ جنگ لڑنے کے لئے اگر پانڈوؤں میں حوصلہ ہے تو وہ ارجمن کے زور بازو کی وجہ سے، اس کی طاقت اور شجاعت کی وجہ سے۔ بازو میں زور نہ ہو تو دھرم یدھ بھلا کیا ہو سکے گا؟ اس لئے دو باتیں ضروری قرار پائیں۔ ایک یہ کہ انسان اپنے اندر طاقت پیدا کرے، اور دوسرے دھرم کی حفاظت کے لئے جنگ کرے۔ ان دو باتوں کے پورا ہو جانے سے اس کی جیت ہی جیت ہے۔ دھرم اور طاقت رکھنے والا کبھی زیر نہیں ہو سکتا۔

اگلے انشوکوں میں بھگوان کہتے ہیں کہ، "اے ارجمن! آگر تو آج کا یہ نہ کرے گا تو تیری بڑی رسائی اور بے عزتی ہوگی۔ تو بزرگی اور بے ہمتی کی مثال بن جائے گا۔ سالہا سال تک لوگ تمہاری بدناہی اور نہمت کریں گے۔ عزت دار آدمی کے لئے تو بے عزتی کی زندگی سے مر جانا بہتر ہے۔ بہادر لوگ کمیں گے کہ ارجمن ڈر نکلے مارے جنگ سے بھاگ

گیا تھا۔ جن کے دل میں تمہارے لئے عزت ہے، تم ان کی نگاہوں میں بھی گر جاؤ گے۔
وشنمن تمہارا تمثیر اڑائیں گے اور پھبٹیاں کیں گے۔ وہ تمہاری طاقت کا نٹھنہ اڑائیں گے
اور کہیں گے کہ ارجمن میدان میں آتا تو دیکھتے۔ زرا سچو! اس سے زیادہ باعث دکھ بات
بھلا اور کیا ہو سکتی ہے۔ آگے چل کر کہتے ہیں ۔۔۔
ہتو۔ وا۔ پرا۔ یسکی۔ سورگم۔ جتو۔ وا۔ بھو۔ کھسے۔ میہم۔
تمات۔ اشٹھ۔ کونتے۔ یدھائے۔ کرت۔ پچھاہ۔

ترجمہ: اے ارجمن! اگر تو اس یدھ میں مارا گیا تو سورگ پائے گا۔ اگر جیت گیا تو زمین
(پر تھوی) پر راج کرے گا۔ اس لئے تو لڑنے کا ارادہ پختہ کر کے کھڑا ہو جا۔ دونوں ہی
صورتوں میں تیری بہتری ہے۔

اس اشلوک کا ترجمہ فیضی صاحب نے یوں کیا ہے ۔۔۔

اگر کشته گر دی ب خلداست جا
وگر فتح یابی شوی پادشاہ

مطلوب یہ کہ اگر تو جنگ میں مارا گیا تو بہشتی ہو گا اور اگر جیت گیا تو دنیا کی پادشاہی ملے
گی۔ خواجہ دل محمد صاحب نے گیتا کے منظوم ترجمے میں اس اشلوک کا منظوم یوں نیان کیا
ہے ۔۔۔

مرے گا تو پائے گا جنت میں گھر
اگر جیت جائے تو دنیا ہو سر
اٹھ ارجمن! کھڑا ہو دکھا زور جنگ
کہ مردوں کو میداں سے ہٹا ہے نگ

اس وعظ کا آخری اشلوک ہے ۔۔۔
سکھ۔ دکھ۔ سے۔ کرتوا۔ لا بھ۔ لا بھ۔ جے۔ اجے۔

تنتو۔ یدھائے۔ سجو۔ نہ۔ ایوم۔ پاپم۔ اداپ سیسی

ترجمہ: اے ارجمن سکھ دکھ، فتح نقصان، ہار جیت کو برابر سمجھ کر تو جنگ میں جٹ جا۔
اس طرح جنگ کرنے سے تجھے کبھی پاپ نہیں ہو گا۔ اپنے دل کو مضبوط کر کے جنگ کرنے
والا آدمی سرخرو ہی سرخرو ہے۔ اسے کبھی پاپ نہیں ہوتا۔

دھرم یدھ کرنے والے کے لئے دکھ سکھ، فتح نقصان، ہار جیت مساوی ہیں۔ وہ جیت
سے پھولتا نہیں اور ہار سے مایوس نہیں ہوتا۔ اس کو تو دھرم ہی پیارا ہے اور اسے دھرم کی

حافظت کے لئے جنگ کرنے سے سکون ملتا ہے۔ اسے ہار جیت سے کوئی سروکار نہیں۔
دھرم کی حفاظت میں لوتے ہوئے موت آنا اس کے لئے خیات جاوداں جیسی ہے۔
اسی خیال کی تائید مہاتما گاندھی کا یہ فرمان ہے کہ ساری گیتا کا نجٹ، ساری گیتا کا
مقصد، اس ایک ہی اشلوک میں ہے۔
اس اشلوکوں کا ترجمہ مجرم صاحب نے یوں کیا۔

فرض کے پورا نہ کرنے کا برا انجام ہے
راسی پر جان ثاری کھشتری کا کام ہے
کھل گیا ہے راستہ جنت کا تیرے واسطے
سرکشاتے ہیں سپاہی خوبی تقدیر سے
جو تو راہ حق پر چلے سے کرے گا اجتناب
تیری گردن پر رہے گا دین و دنیا کا عذاب
بے محابا تیری بدگوئی کریں گے آدمی
موت سے بدتر ہے زلت صاحب تو قیر کی
ڈر کے بھاگا جنگ سے، کہیں گے ہبورا
جن پر تیرا رعب ہے، ان سے ہی تو شربائے گا
سلطنت ہاتھ آئے گی یا زندگی فردوس کی
اس لئے اے ارجمن و کھا میدان میں مرداگی
رنج و راحت، فائدہ نقصان، ہار اور جیت کو
اپنے دل سے دور کر اور جنگ میں مصروف ہو

بے لوٹ ہو کر عمل کر

روح کی لفانیت اور کھشتری دھرم پر وعظ کر چکنے کے بعد کرشن جی تیسرا وعظ جاری کرتے ہیں۔ یہ وعظ ہے نش کام کرم یعنی ثمرہ اعمال کی امید چھوڑ کر عمل کرنا۔

بھگوان کہتے ہیں۔ ”اے ارجمن! اپنے دھرم کو، یعنی اپنے فرض کو نش کام بھاو یعنی پھل کی خواہش کو چھوڑ کر پورا کر۔ فقط اپنا فرض سمجھ کر۔ اپنی ڈیوٹی کو ڈیوٹی جان کر تو اپنے دھرم پر عمل کر۔ عمل کے پھل کی خواہش دل میں ہرگز مت رکھ۔ صلے کی خواہش چھوڑ کر تندہ ہی سے کیا جانے والا کام نش کام کرم کہلاتا ہے۔“

چنانچہ فرماتے ہیں:

کر میسری۔ ابو۔ ادھیکار۔ تے۔ ما۔ بھلیتے۔ کداچن۔
ما۔ کرم۔ پھل۔ ہیتو۔ بھوما۔ تے سنگو۔ استو۔ اکرمزی۔

ترجمہ: اے ارجمن! عمل (کرم) کرنا ہی تمہار فرض ہے۔ اس کا پھل تیرے اختیار میں نہیں۔ اس لئے اعمال کے صلے کی امید نہ رکھ کر کام کرتا چلا جا۔ اور خبردار! کیس عمل نہ چھوڑ دینا۔ لمحن کرم تو ضرور کر لیکن پھل کی خواہش چھوڑ کر۔
اس اشلوک کا ترجمہ خواجه دل محمد نے کیا ہی خوب کیا ہے۔

تجھے کام کرنا ہے او مرد کار
نہیں اس کے پھل پر تجھے اختیار
کئے جا عمل اور نہ ڈھونڈ اس کا۔ پھل
عمل کر عمل نہ ہو بے عمل

بھگوان اگلے اشلوک میں پھر فرماتے ہیں:

یو گستھا۔ کرو۔ کرنا نزی۔ سکنم۔ تیکوا۔ دھننخ۔
سدھی۔ اسدھی۔ یو۔ سمو۔ بھوتوا۔ سوتوم۔ یوگ۔ اچھیتے۔

ترجمہ: اے ارجمن! لگاٹ چھوڑ کر اور کرم یوگی بن کر عمل کر۔ ہار اور جیت کو برابر جان کر عمل کرتا جا۔ دل کی یکساں اور غیر متغیر کیفیت کا نام ہی یوگ ہے۔

بے الفاظ خواجہ صاحب۔

رکھ ارجن تو دل یوگ میں استوار
تو کر بے لگاؤٹ عمل اختیار
نہ جیتے کی شادی نہ ہارے کا سوگ
کہ دل کے توازن کا ہے نام یوگ

مطلوب یہ کہ عمل ضرور کر۔ لیکن ذاتی غرض اور فائدے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے۔
تمہارے تمام اعمال کا مقصد واحد خدمت انسانیت ہو، نہ کہ ذاتی مفاد۔ تو صرف یہی سمجھ کر
عمل کر کہ سب کاموں کے کرنے والا خود پرماتما ہے۔ میں تو فقط اس کا آہل کار ہوں۔ یعنی
ایشور نظر سے او جھل رہ کر میرے توسط سے دنیا کے کل کام انجام دے رہا ہے۔ ہار جیت
اور نفع یا نقصان سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

زندگی کا مقصد خدمت انسانیت ہے نہ کہ خود پروری۔ خدمت کی نیت سے کیا ہوا
عمل بہت اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ لذما انسان کو چاہئے کہ خود کو خدا کا خادم (سیوک) سمجھ کر
خالق کی خدمت بجالائے، جو کچھ بھی کرے، اپنے آپ کو سیوک سمجھ کر کرے۔
سر اقبال کا شعر ہے۔

سروری در دین ما خدمت گری است
مطلوب یہ کہ اگر تو بادشاہ ہے تو پھر بھی تیرا مقصد خدمت خلق ہونا چاہئے نہ کہ عیش و
عشرت اور تن پروری۔ پرماتما نے جو فرض ہمارے اور پڑالا ہے اس کو فرض سمجھ کر ادا
کرتے چلو۔ دل میں غور و تکبیر کو دل میں جگہ نہ دو اور نہ ہی اعمال کے پھل کی خواہش پر
دھیان و صروہ۔

جزا یا صلحہ کے لائق سے قطع نظر عمل کرنے والا انسان معمولی نہیں۔ وہ تو یوگی ہے،
عارف ہے، مہاتما ہے۔

ان اشلوکوں کا مدعا مجذ صاحب نے یوں بیان کیا ہے۔

فعل سے دل بسکی واجب نہیں تیرے لئے
فرض کی تکمیل کر۔ خواہش صد کی چھوڑ دے
کامیابی اور ناکامی کو یکساں جان لے
عارفوں کی زندگی کلتی ہے اطمینان سے

قائم العقل انسان

”ہے اس قائم العقل کا کیا کیا چلن
ہو کیا بودباش اس کی کیا نحن۔“

(دل)

اس کے بعد ارجمن بھگوان کرشن سے سوال کرتے ہیں کہ ”اے بھگوان! یہ جو آپ نے ”ستحت پر گیئے“ یعنی ٹھہری ہوئی بدھی (عقل قائم) کا ذکر کیا ہے، یہ ہے کیا چیز؟ میں اسے جانتا چاہتا ہو۔ میریانی کر کے قائم العقل انسان کے اوصاف بیان فرمائیں۔“

اس پر بھگوان ارجمن جواب دیتے ہیں کہ اے ارجمن! قائم العقل انسان وہ ہے جس نے اپنی حقیقت کو سمجھ لیا ہے، جس نے اپنی آتما کو پہچان لیا ہے۔ جس نے اپنے من کی خواہشات کو زیر کر لیا ہے۔ جو خواہشوں پر قابو پائے ہوئے اور ان کو لذاتِ نفسانی سے ہٹا لینے پر اس طرح قادر ہے جس طرح کچھوا اپنے جسمانی اعضاء پر قادر ہوتا ہے۔ یعنی جب چاہتا ہے ان کو اپنے اندر سکیڑ لیتا ہے اور جب تھی چاہتا ہے باہر نکال لیتا ہے۔

جو شخص اچھی چیز ملنے پر مسرور اور بُری چیز ملنے پر غمگین نہیں ہوتا، جو کہ دکھ اور سکھ میں یکساں ہے، ایسا آدی ہی قائم العقل ہے۔ اس کی عقل ”قائم“ ہو گئی ہے۔ وہ بیرونی واقعات سے متاثر نہیں ہوتی۔ اس میں تغیر و حرکت بند ہو گئی ہے۔ وہ عقل غیر تغیر ہے یعنی ایک جگہ پر ٹھہری ہوئی۔ دکھ سکھ ہار جیت، نفع نقصان سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ عقل شانت ہو گئی ہے۔ ایسی عقل رکھنے والا شخص قائم العقل ہے۔ چنانچہ بھگوان فرماتے ہیں کہ

”اے ارجمن! جب آدی کی عقل ٹھہر جاتی ہے، جب اس کی عقل قائم ہو جاتی ہے،
تب وہ اپنی آتما میں ہی بذب ہو جاتا ہے۔ تب میں میں پیدا ہونے والی تمام خواہشات ختم ہو جاتی ہیں۔“

مطلوب یہ کہ قائم العقل انسان دنیا کی تمام خواہشات کو مٹا دیتے ہے۔ ایسا انسان نہیں کسی ہے۔ وہی یوگی ہے۔ وہی قائم العقل ہے۔ اس کی عقل اس نکتہ پر ٹھہر جاتی ہے

جو کہ آتا کا بھیں ہے۔ اور جہاں دنیا کی تمام تر خواہشات بھی اس میں ذرہ برابر ارتعاش نہیں پیدا کر سکتیں۔ وہ سدا ہی اپنی آتما میں مست و بے خود رہتا ہے۔
گیتا کا اسلوک ہے:

دکھ۔ ایشو۔ ازو گن۔ منا سکھیو۔ وگت۔ پرم۔

دیت۔ راگ۔ بخے۔ کرو ڈھا۔ سخت۔ دھیر۔ من۔ اوجھے۔

ترجمہ: اے ارجن! جو آدمی دکھ میں دکھی نہیں ہوتا اور سکھ کا لالج نہیں کرتا، جس نے خواہش، خوف اور غصہ، تینوں کو اپنے اندر سے نکال دیا ہے، ایسا انسان قائم العقل ہے۔ وہ منی یعنی درویش کہلاتا ہے۔

بہ الفاظ خواجہ صاحب۔

جو سکھ سے سکھی ہو، نہ دکھ سے دکھی
نہ خوف اس کو آئے، نہ غصہ سکھی
نہ جذبوں کو جنجال میں آئے وہ
منی قائم العقل کہلاتے وہ

بھگوان آگے فرماتے ہیں کہ:

”اے ارجن! جو آدمی دنیاوی لوازمات میں یعنی اہل ہوس میں عام آدمیوں کی طرح رہتا ہے اور دنیاوی لذتوں سے مرعوب نہیں ہوتا، دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس کا دل وہاں نہیں پھنتا، لگاؤٹ میں نہیں آتا، جو نفرت اور الفت کے جذبات سے بالاتر ہے۔ نہ اس کا کوئی دوست ہے، نہ دشمن، جو سب کے ساتھ ایک جیسا ہے، جس نے اپنے من اور حواس کو زیر کر لیا ہے۔ اس کی طبیعت دکھ سکھ، فتح نقصان، ہار جیت، خوف، غصہ سے بالکل متاثر نہیں ہوتی ہے بلکہ ہر حالت میں شانت اور قائم رہتی ہے۔ اے ارجن! ایسا آدمی دنیا میں برتنے ہوئے بھی، دنیاوی جدوجہد میں حصہ لیتے ہوئے بھی سنوار (دنیا) سے الگ تھنگ رہتا ہے، دنیا میں بے لگاؤ رہتا ہے، وہ قائم العقل ہے۔ اس کی عقل ہر جگہ پر اور ہر وقت قائم ہے۔ شاستر (ندیہی کتب) بھی ایسے آدمی کو قائم العقل قرار دیتے ہیں۔

ان اسلوکوں کو شاعر لظم میں یوں بیان کرتا ہے۔

اس کی قائم عقل ہے جو ذات میں مسرور ہے

جس کے دل سے ہر دو عالم کی تمنا دور ہے

ہے وہ عارف جس کو غصہ، شوق اور نفرت نہیں

رنج میں کفت نہیں، آرام سے الفت نہیں
شادی و غم نہیں، جس کو سرت و ملال
سب سے جو بے لوث ہے، وہ آدمی ہے باکمال
قام العقل انسان کی خوبیوں کا پیان ہو چکنے کے بعد بھگوت گیتا کا دوسرا باب ختم ہوتا
ہے۔

دوسرے باب کا خلاصہ

”دوسرے باب میں بھگوان کرشن نے ارجمن کو ان چار باتوں کے بارے میں بتایا ہے:
آتما امر ہے۔ یہ کبھی فنا نہیں ہوتی۔ اذل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔“
-1

”کھشتري کا دھرم یہ ہے کہ وہ دل و جان کے ساتھ یہد میں حصہ لے اور
دشمن پر فتح کر لے یا خود مست جائے۔ دھرم یہد نہ کرنا، یا میدان میں پیٹھ دکھانا
کھشتري کے لئے گناہ عظیم ہے جو اسے سیدھا جنم میں لے جاتا ہے۔“
-2

”نش کام کرم یعنی پھل کی خواہش دل میں نہ رکھ کر، ذاتی غرض چھوڑ کر، محض
اپنا فرض سمجھ کر زندگی کے تمام اعمال و افعال سرانجام دیتا، خدمت کے جذبہ
سے خدمت غلق کرنا۔“
-3

”قام العقل۔ عقل کو بیشہ قائم رکھ کر عمل کرنا۔ مطلب یہ کہ ہارجیت، نفع
نقسان کو برابر سمجھ کر زندگی کی تک و دو میں تندی سے شرکت کرنا۔ بیشہ تمثیلا
دماغ رکھنا۔“
-4

درachiل یہی چار باتیں گیتا کی تعلیمات کا لب لباب ہیں۔ اگر ارجمن انہیں سمجھ جاتا تو
گیتا میں اس دوسرے باب پر ہی اختتام پذیر ہو جاتی اور باتی کے سولہ باب ظہور میں ہی نہ
آتے۔ مگر ارجمن سخت گھبرا یا ہوا تھا اور اس کا دماغ پوری مستعدی سے سوچنے کے قابل نہ
تھا۔ اس لئے وہ مندرجہ بالا باریک اور گھری باتوں کو نہ سمجھ سا۔ چنانچہ بھگوان کرشن سے
سوال کیا: اے بھگوان! ایک طرف تو آپ عقل کو قائم رکھنے کی ہدایت کرتے ہیں اور
دوسری جانب مجھے اس خونریزی میں شریک ہونے کا حکم بھی دیتے ہیں۔ آپ کی ان متضاد

باتوں سے میری پریشانی کم ہونے کی بجائے اور بھی بڑھ گئی ہے۔ برائے مردانی صاف صاف بتائیں کہ میرے لئے اس وقت کونا راستہ بہتر ہے۔
بے الفاظ خواجہ دل محمد

بتا مجھ کو جبار گیسو دراز
عمل سے اگر علم ہے سرفراز
تو رکھا نہیں مجھ کو آزاد کیوں
مجھے قطعی بات بتا دیجئے
بھلائی کی راہ پر چلا دیجئے
ارجن کی یہ بات سن کر بھگوان کرشن ان باتوں کو بخوبی واضح کرنے کے لئے پھر اپیش
شروع کرتے ہیں جس سے بھگوت گیتا کے تیرے باب کا آغاز ہوتا ہے۔

تیسرا باب

عمل میں جٹ جانا (کرم یوگ)

تو جب ارجمن یہ کہتا ہے کہ ایک طرف دل کو تمام خواہشات سے آزاد رکھنے کی نصیحت اور دوسری جانب خون بمانے کے لئے سرستہ ہونے کے حکم نے مجھے شش دن میں جلا کر دیا ہے۔ اس لئے واضح طور پر بتائیں تو، ارجمن کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے بھگوان کرشن جی فرماتے ہیں کہ ”اے ارجمن! کرم یوگ سے بڑھ کر انسان کے لئے مکتی اور نجات کا کوئی بہتر راستہ نہیں ہے۔ تو کرم یوگ بن کر جگ میں شریک ہو جا۔ یعنی اپنی عقل کو قائم کر کے، مطمئن خیالات کے ساتھ، کامیابی اور ناکامی کو برابر سمجھ کر، میدان جنگ میں کوڈ پڑھ کر اسی کا نام کرم یوگ ہے اور اسی میں تیری بہتری ہے، اسی میں تیرا اطمینان پوشیدہ ہے۔“

گیتا کے تیرے باب کے بارے میں مہاتما گاندھی کا کہنا تھا کہ یہ بھگوت گیتا کے اصلی روپ کو سمجھنے کی کنجی ہے۔

جس نے یہ تیسرا باب سمجھ لیا، اس نے گیتا کے راز کو پالیا۔ اس باب کو سمجھے بغیر گیتا کا درس ایک سرستہ راز ہے اور تیسرا باب اس راز کو افشا کرنے کے لئے بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ جب تک کرم یوگ کا منسلک سمجھ نہیں آتا، گیتا کی تعلیم سمجھ نہیں آلتی۔ اس باب کے چند اشلوک ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔
بھگوان فرماتے ہیں :

ابوم۔ پور نتم۔ چکرم۔ نہ۔ انور تیتی۔ ایسہ۔ یا
اگھا لیو۔ اندری۔ آرامو۔ مو گھم۔ پار تھ۔ سا۔ چیو تے

ترجمہ : اے ارجمن ! میں نے یہ جو کائنات تخلیق دے رکھی ہے، دراصل یہ میں نے خدمت خلق کا چکر چلا رکھا ہے۔ جو شخص اس چکر کو اپنی طاقت کے مطابق، اپنی طاقت کے مطابق آگے کو نہیں دھکیلتا وہ جو اس کی لذات میں ڈوبا ہوا ہے۔ وہ نفسانی خواہشات میں پھنسا رہتا ہے اور اس کا جینا بیکار ہے۔

چنانچہ شری ویاس منی جی بھی فرماتے ہیں:
پر۔ انپار۔ سور گائے۔ پیلائے۔ پر۔ پیشہ نم

ترجمہ: خدمت خلق کرنے والا بہشت میں جاتا ہے اور دوسروں کو دکھ پہنچانے والا جنم میں۔ گویا تخلق کی خدمت ہی بہشت تک جانے کے لئے صراط مستقیم ہے۔ جو شخص اپنے ہم نفس کی خدمت نہیں کرتا، دکھیوں کے دکھ دور نہیں کرتا، زخمی دل پر پھالا نہیں رکھتا، کسی رونے والے کے آنسو نہیں پوچھتا اس کا زندہ رہنا فضول اور بے مقصد ہے۔ وہ جیتا ہوا بھی مرے ہوؤں کے برابر ہے۔

گورو ارجمند ڈیوبھی مداراج سکھ منی صاحب میں فرماتے ہیں:

متھیا تن نہیں پر انپارا
متھیا سانس بہت بے کارا

یعنی جو آدمی دوسروں کی خدمت کرنے کے لئے نہیں جیتا۔ اس کا جینا بیکار ہے۔ وہ محس سانس لے رہا ہے، جی نہیں رہا۔ Live نہیں کر رہا۔ ایسا آدمی تو سانس لینے والی دھوکنی ہی ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

پیارے بھائیو! لوگوں میں یہ عام خیال پایا جاتا ہے کہ آتم گیانی، یعنی جس نے خودی تک رسائی حاصل کی ہوئی ہے، جس کی آنکھ اپنے اندر کو کھلی ہے، جو سدا اپنی آتما میں ہی مگن رہتا ہے، جو روحانی معراج پر پہنچ چکا ہے، ایسے آدمی کے لئے کرم (عمل) کرنا فرض نہیں، یعنی وہ عمل کرنے کے لذوم سے مہرا ہے۔ بھگوان کرشن فرماتے ہیں، واقعی آتم گیانی، (خود آگاہ) کے لئے کرم کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔ کرم کرنے سے اس کی ذات کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر نہ کرے تو اس کی ذات کو کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا۔ وہ تو منزل مقصود پر پہنچ چکا ہے۔ وہ زندگی کا مقصد یعنی خود آگاہی کو حاصل کر چکا ہے۔ اب کرم کرنا نہ کرنا اس کے لئے ایک سا ہے۔ مگر بھگوان کرشن کرم کرنے کو ایسے آدمی کے لئے بھی ضروری قرار دیتے ہیں، اپنے لئے نہیں مگر دوسروں کی بھلائی کے لئے اور دوسروں کے سامنے اچھی مثال پیش کرنے کے لئے عارف کو بھی کرم کرنا چاہئے کیونکہ یہ بات عوام کی نظرت میں شامل ہے کہ وہ بڑے آدمیوں کی پیروی کرتے ہیں۔ جو کچھ انہیں کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، وہی خود بھی کرتے ہیں۔ عام لوگوں مردان عظیم کو جو کچھ کرتا دیکھیں گے خود بھی ویسے ہی کرنے لگیں گے۔ لہذا ایک عارف کے لئے بھی کرم کے ذریعے اچھی مثال قائم کرنی دوسروں کی بھلائی کرنی چاہئے۔

چنانچہ بھگوان کرشن کرم راجہ جنک کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
”اے ارجن! راجہ جنک وغیرہ نے بے لوث عمل سے ہی نجات حاصل کی ہے۔ اس
لئے لوگوں کی بھلائی کو مد نظر رکھتے ہوئے تجھے بھی کرم کرنا ضروری ہے۔“
انہی خیالات کو خواجہ دل محمد نے یوں پیش کیا۔

کوئی نامور شخص کرتا ہے کام
تو کرتے ہیں تقلید اس کی عوام
بڑا آدمی جو بنائے اصول
وہی ساری دنیا کرے گی قبول
عمل سے بزرگوں نے پایا کمال
جنک جیسے انساں ہوئے باکمال
اسی طرح نیکی کئے جاؤ تم
جاناں کو بھلائی دیتے جاؤ تم
آگے چل کر بھگوان فرماتے ہیں:

سکتا۔ کر منزی۔ ادو انسو۔ ستحما۔ کورو نتی بھارت۔
کریات۔ دو اون۔ اسکتی۔ پکر شو۔ سگر ہم

ترجمہ: اے ارجن! جس طرح جاہل لوگ اپنی غرض کے لئے کام کرتے ہیں، اسی طرح
عارف (گیانی) لوگ بے لاغ ہو کر سنوار کے آئند اور اطمینان کے لئے عمل کرتے ہیں۔
جاہل لوگ اپنے لئے جیتے ہیں اور گیانی لوگ دوسروں کے لئے۔ جاہل لوگ خود غرضی کے
ساتھ سارے عمل اپنی خاطر کرتے ہیں اور گیانی لوگ بے غرض ہو کر دنیا کی خدمت کے
لئے زیادہ شوق اور تندی سے اپنے فرانٹ بجالاتے ہیں۔
بے الفاظ خواجہ صاحب۔

ہوں جس طرح مورکھ عمل میں مگن
انہیں کام کی ہی لگی ہے لگن
ہوں دیے ہی داتا کے نش کام کام
رہے تاکہ لوگوں میں قائم نظام
لوک مانیے تسلیک جی مہاراج اپنی مشہور ”گیتا رہیس“ میں کہتے ہیں کہ گیانی اور گیانی
(جاہل) دونوں کے لئے عمل کرنا لازمی ہے اور بظاہر ان دونوں میں کوئی فرق بھی نہیں ہوتا۔

کوئی فرق ہے تو وہ صرف نیت کا۔ کام ایک ہی ہوتا ہے۔ گیانی اسے اپنی غرض کے لئے پھل کی خواہش سے کرتا ہے۔ کامیابی سے خوش اور ناکامی سے غمگین ہوتا ہے۔ اس کے برعکس گیانی اپنی ذات کو بالائے طاق رکھ کر محض دوسروں کی خدمت کے لئے عمل کرتا ہے۔ گیانی کے لئے عمل بندھن کا باعث ہوتا ہے مگر گیانی کے لئے نجات کا۔ یعنی گیانی کو تو اپنے اعمال کا پھل بھکتنے کے لئے بار بار دنیا میں آتا پڑتا ہے۔ مگر گیانی عمل کرتا ہوا بھی ہیش کے لئے پرماتما میں سما جاتا ہے، جذب ہو جاتا ہے اور مکتن حاصل کر لیتا ہے۔

بھگوت گیتا صلدہ کی امید رکھے بغیر ہیم عمل کرنے کی ہدایت کرتی ہے۔ پر نزور الفاظ میں بار بار۔ اس لئے خود غرض آدمی یا ایسا انسان جس نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے، وہ بھگوت گیتا کی تعلیم کے خلاف چلتے ہیں اور بھگوان کرشن ایسے آدمیوں کی سختی سے نہ مرت کرتے ہیں۔ گیتا اور اس تیرے باب کا لب باب یہی ہے کہ آدمی عمل تو ضرور کرے مگر خدمت کے جذبے سے۔ عمل کا مقصد اپنی غرض پورا کرنا نہیں بلکہ دوسروں کی خدمت ہونا چاہئے۔ بے لوث ہو کر، لگاؤٹ چھوڑ کر کام کرو۔ کوئی بھی عمل کرتے وقت صلے کی امید دل میں نہ رکھو۔ یہی سمجھو کہ بھگوان نے تمہارے اوپر جو فرض عائد کیا ہے اسے سرانجام دے کر تم اپنے بھگوان کا حکم بجا لارہے ہو۔ اس سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ فقط خدمت اور سیوا کی نیت سے کیا ہوا کام ہی "نش کام کرم" کہلاتے گا۔ اسے کرم یوگ کہتے ہیں اور یہی گیتا کا اصل اپدیش (نصیحت) ہے۔

ہمارتا گاندھی کا کہنا تھا:

گیتا کہتی ہے، "نتیجے کی فکر چھوڑو اور عمل کرو۔" امید چھوڑو اور عمل کرو۔ بے لوث ہو کر کام کرو۔ یہ گیتا کی ایک ناقابل فراموش نصیحت ہے جو عمل چھوڑتا ہے وہ گرتا ہے۔ عمل کرتے ہوئے جو اس کے نتیجے سے بے نیاز ہو جاتا ہے اسے اوج نصیب ہوتی ہے۔

گوروارجن دیو جی نے سکھ منی صاحب میں فرمایا ہے۔

سیوا کرت ہووے نہ کامی

نس کوں ہوت پر اپت سو ای

مطلوب یہ کہ آدمی کو بے غرض ہو کر دل و جان کے ساتھ سیوا کرنی اور اپنے کے ہوئے عمل کے پھل کی خواہش کو دل میں ہرگز نہیں رکھنا چاہئے۔ ایسے سیوک کو بہت جلد بھگوان پر اپت (حاصل) ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بے لوث خدمت کرنے سے اس کام من پاکیزہ اور صاف ہوتا چلا جاتا ہے اور آخر میں آئینہ کے مانند شفاف ہو جاتا ہے جس میں بھگوان

کا عکس خود بخود دکھائی دینے لگتا ہے۔

اس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے مجز صاحب کہتے ہیں۔

فرض پورا کر، کہ بیکاری سے افضل کار ہے
آدمی کی زندگی، بے عمل دشوار ہے
کام دے انجام، لیکن اس میں آغشنا نہ ہو
راحت دل ہے میرے بے تنا شخص کو
دل سے تو میرے حوالے کر افعال کو
بے خطر اور بے تنا جنگ میں مشغول ہو

چوتھا باب

دھرم کا زوال اور ظہور حق

گیتا کے چوتھے باب میں بھگوان کرشن ارجن سے کہتے ہیں کہ ”اے ارجن! میں نے دسوان کو بھی بے لوث خدمت کا یہی اپدیش دیا تھا۔ پھر دسوان نے منو کو اور منو نے اپنے بیٹے اکشا کو کو سنایا۔ بہت زمانے گزر جانے سے یہ اپدیش دنیا سے نابود ہو گیا اور آج پھر میں تجھے نا رہا ہوں۔ تو میرا سچا بھگت اور مجھے عزیز ہے۔ یہ تیری عین سعادت مندی ہے۔“ اس پر ارجن نے حیران ہو کر پوچھا: ”ہمارا جن! یہ بات میں کیسے مانوں کہ آپ نے یہ اپدیش دسوان کو دیا تھا کیونکہ دسوان کو گزرے ہوئے تو ایک زمانہ گزر چکا ہے اور آپ اب آئے ہیں۔“

جواب میں بھگوان نے فرمایا ——————
 ”اے ارجن! تیرے اور میرے بہت سے جنم ہو چکے ہیں۔ میں ان سب جنموں کو بہت اچھے طریقے سے مانتا ہوں مگر تجھے ان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔“
 بہ الفاظ مجرصاً صاحب۔

من ارجن ہوئے ہیں یہاں بار بار
 تمہارے ہمارے جنم بے شمار
 مجھے حال ان سب کا معلوم ہے
 ترا حافظ ان سے محروم ہے

پھر بھگوان نے یوں فرمایا:
 یدا۔ یدا۔ ہی۔ دھرم سی۔ گلائی۔ بھوتی۔ بھارت
 ابھ۔ ستحانم۔ ادھر میہ۔ تدا۔ آتمانم۔ سرجانی۔ اہم

ترجمہ: اے ارجمن! جب جب دنیا میں دھرم کم ہوتا ہے اور ادھرم بڑھتا ہے، تب تب میں دنیا میں جنم لیتا ہوں۔

جنم کس واسطے لیتا ہوں، اس بارے میں فرماتے ہیں:
پری۔ تازلئے۔ ساوہ نام۔ ونا شائے۔ چ۔ دشکر تام۔
دھرم ششمپان۔ ارتھائے۔ سنجھوای۔ یکے۔ یکے۔

ترجمہ: نیک لوگوں کی حفاظت کی خاطر اور ظالموں کو سزا دینے کے لئے، دھرم اور صداقت کا بول پھر سے بالا کرنے کے لئے میں عمدہ۔ عمدہ دنیا میں ظاہر ہوتا ہوں۔
خواجہ دل محمد نے یہ مضمون شعروں میں یوں بیان کیا۔

تزل پ جس وقت آتا ہے دھرم
ادھرم آکے کرتا ہے بازار گرم
یہ انہیں جب دیکھ پاتا ہوں میں
تو انساں کی صورت میں آتا ہوں میں
بھلوں کو بروں سے بچاتا ہوں میں
بروں کو جہاں سے نٹاتا ہوں میں
جو ارجمن سمجھ لے ان اسرار کو
حدائی جنم اور کروار کو
وہ مر کر میرے دصل سے شاد ہے
تاغ کے پچر سے آزاد ہے
فیضی صاحب نے ان اشلوکوں کا فارسی زبان میں ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

چو بنیاد دیں ست گروو بے
نمایم خود را بہ شکل کے

ترجمہ: جب دھرم کی بنیاد کمزور پڑ جاتی ہے اور ادھرم بڑھ جاتا ہے تو میں دنیا میں انسان کے بھیں میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہوں۔

کہ حفظ ریاضت گزیاں کنم

مراعات عزالت نشیاں کنم

ترجمہ: تاکہ اپنے بھگتوں اور عابدوں کی حفاظت کروں اور گوشہ نشین ریاضت کشوں اور ساوہوؤں پر عنایات کی بارش کروں۔

بِرِيزِيمْ خون سُمْ پیشہ گاں
جہاں برا نمايیم دارالامان

ترجمہ : ہاکہ ظالموں کا خون بھا کر اس دنیا کو پھر سے امن کا گھوارہ بنا دوں۔ یعنی کہ بھگوان کو دھرم اس قدر عزیز ہے کہ اگر وہ اسے خطرے میں دیکھیں تو انسان کے روپ میں خود ہی دنیا میں آتے ہیں۔ گو سوائی تلسی داس جی بھی اپنی تخلیق کردہ رامائن میں اسی موضوع پر فرماتے ہیں۔

جب جب ہوئے دھرم کی ہانی
بڑھیں اسر، ادھم، ابھیانی
کریں انتی، جائے نہیں بھلی
سیدھیں وپ۔ دھین۔ سر۔ دھنی
تب تب پر بھو دھروودھ شریرا
ہرس کر پاندھی بجن پیڑا

مطلوب یہ کہ جب جب دھرم زوال پذیر ہو گا اور بد کار، چخ اور مغورو لوگوں کو دنیا میں سرفرازی اور ثروت حاصل ہو گی اور پابی لوگ برہمن، گائے، دیوتاؤں اور تخلوق کو ستائیں گے اور اس قدر برائیاں کریں گے کہ جن کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ تب تب پر بھو طرح طرح کے قابل اختیار کر کے دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور پابیوں کا ستیاہاں کر کے اپنے بھگتوں کی تکالیف دور کرتے ہیں۔

جب شری گورو گویند سنگھ جی مہاراج نے جنم لیا تو ہندوستان میں ہندوؤں کی حالت بہت بری تھی۔ دھرم زوال خورده تھا، ملک میں ہر طرف ظلم و ستم اور بے انصافی کا دورہ دورہ تھا۔ نیک آدمی بدکاروں کے ہاتھوں استھان سے بہت دکھی اور نالاں تھے۔
چنانچہ گورو جی مہاراج خود اپنے ظہور کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہم اہ کاج جگت میں مول آئے
دھرم ہیست گورو دیو پٹھائے

مطلوب کہ ہم اس دنیا میں اس لئے آئے ہیں کہ ہمیں پرمانہنے دھرم کی حفاظت کے لئے یہاں بیٹھیا ہے۔

جہاں تھاں تم دھرم بختارو
دشت دو کھین پکڑ چھاڑو

کہ جا کر ہر جگہ دھرم کی ترقی دو اور جان کمیں پاپی اور ظالم ملیں، انہیں پچھاؤ۔ ان کا سیتا ناس کر دو، تاکہ سادھو لوگ امن سے زندگی گزار سکیں۔

پھر فرماتے ہیں

ہم اہ کان۔ وہرا بگ منگ
بکھہ ہو سادھو سب منگ

مطلوب یہ کہ ہم نے اسی واسطے دنیا میں جنم لیا ہے۔ سب سادھو اپنے من میں اس بات کو بھال لیں اور تشفی رکھیں کیونکہ ہم اسکے دکھ دور کرنے کے لئے ہی سنوار میں آئے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ دھرم کو ترقی دیں۔ دنیا میں پھر سے دھرم، عج اور انصاف کا سکہ چلا میں۔ نیک آدمیوں کی حفاظت کریں۔ انکو ابھاریں اور سب ظالموں کو جڑ سے اکھیز پھیلکیں، ان کا سیتا ناس کر دیں۔ تاکہ جان میں امن و شرافت کا دور دورہ ہو جائے اور دھرم پھر سے ترقی کرے۔

بے لوث عمل کی عظمت

اس کے بعد اسی باب میں بھگوان پھر کرم یوگ کی وضاحت کرتے ہیں اور جاتے ہیں کہ کس طرح انسان عمل کرتا ہوا بھی عمل کے بندھن سے آزاد رہ سکتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں :

ید رچھا۔ لا بھ۔ سستھو۔ دوند۔ اتیت۔ دمتر۔

سما۔ سدھی۔ اسدھو۔ چپ۔ کرتوا۔ نہ بندھتے

ترجمہ : جو آدمی مکمل صدق دل اور تندی سے کام کرتا ہے، مگر پھل کی خوش کو دل میں نہیں لاتا، اور اس عمل کا جو بھی نتیجہ نکلے اس پر شاد رہتا ہے، جو دکھ سکھ سے بالاتر اور حسد و بغض سے آزاد رہ کر عمل کرتا ہے، ہار جیت، کامیابی اور ناکامی کو یکساں خیال کرتا ہے۔ ائے ارجمن ! ایسا آدمی عمل کرتے ہوئے بھی عمل کے بندھن میں گرفتار نہیں ہوتا اور اس پر اعمال کا مطلق اثر نہیں پڑتا۔ اور اعمال اسے آواگوں کے چکر میں نہیں پھنسا سکتے، ایسے آدمی کو ہم کرم یوگی کہتے ہیں۔

صاحبان ! بھگتی اور گیلان سے آدمی صرف اپنے من کو پاک صاف کر کے اپنا ہی بھلا کر سکتا ہے۔ مگر راہ عمل سے من پاک کرنے اور اپنی ذات کو فائدہ پہنچانے کے ساتھ دنیا کو بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے اس لئے بھگوان کرشن کرم یوگ کو بھگتی اور گیلان (معرفت) پر فوقیت دیتے ہیں۔ اور ارجمن کو اس کا قائل کرنے کے لئے اسے بار بار دہراتے ہیں، کیونکہ یہ کرم یوگ ہی گیتا کا اصلی پیغام ہے۔

بھگوان فرماتے ہیں کہ دھرم کی حفاظت کے لئے بے لوث جذبے کے ساتھ یہ کرنا ایک عظیم کارثواب ہے۔

گمراہ کن محبت چھوڑ دو

ارجن ان باتوں کی وضاحت کے باوجود خیالوں کی لکھش کا شکار ہے۔ وہ لکھش کیا ہے، آئیے خواجه دل محمد کے الفاظ میں دیکھتے ہیں۔

بھی کرم یوگ آپ اچھا بتائیں
بھی کرم سیاس کے گن گائیں
ہے بھگوان کون ان میں مرغوب تر
عمل ہے کہ ترک عمل خوب تر

یعنی ارجن کہتا ہے کہ بھگوان آپ بھی بے لوث ہو کر عمل کرنے کی تلقین اور توصیف کرتے ہیں اور بھی سب سے لا تعلق ہو جانے کے گن گاتے ہیں۔ مجھے بتائیں کہ ان میں سے بہتر کیا ہے۔ عمل یا ترک عمل۔

بھگوان کرشن فرماتے ہیں:

برہمنی۔ آدھائی۔ کماٹی۔ سغم۔ یکتو۔ کروتی۔ یا۔

لبیتے۔ نہ۔ سا۔ پاچین۔ پدم۔ پترم۔ او۔ امجد۔ سا

ترجمہ: اے ارجن! جو آدمی اپنے اعمال میں سے ذاتی غرض نکال کر انہیں پرہاتنا کی نذر کر دیتا ہے، وہ پاپ سے آزاد رہتا ہے۔ اعمال کا پاپ اس پر قطعاً "لا گو نہیں ہوتا۔ وہ آدمی پاپ سے ایسے ہی آزاد ہے جیسے کنوں کا پتا پانی میں رہتے ہوئے بھی تر نہیں ہوتا۔

آدمی کو چاہئے دنیا میں رہنا کس طرح؟

جس طرح تلاab کے پانی میں رہتا ہے کنوں

تو صاحبان! بھگوت گیتا کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو دنیا میں زندگی ایسے برکتی چاہئے، جس طرح کنوں کا پتا پانی میں رہتا ہے اور پھر بھی خلک رہتا ہے۔ لہذا آدمی کو بھی چاہئے کہ وہ تمام کاروبار زندگی میں حصہ لیتے ہوئے بھی خود کو اس کے اثرات سے آزاد رکھے۔ کامیابی پر خوش اور ناکامی میں غلکیں نہ ہو۔ محض اس خیال کو دل میں رکھ کر عمل

کرے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ پرатаہا کا حکم ہے۔ پرатаہا ہی قادر مطلق ہے۔ میں تو اس کا ناچیز آلہ کار ہوں۔ ایک ذریعہ۔

مجز صاحب اس اشلوک کا ترجیح یوں کرتے ہیں۔

جو ادا کرتا ہے اپنا فرض، خواہش چھوڑ کر
برگ نیوفر ہے سیالب گناہ میں وہ بشر
مطلوب یہ کہ بے تعلق ہو کر فرض ادا کرنے والا شخص سزا و جزاۓ اعمال سے کنول
کے پتے کی مانند مبراہتا ہے۔ اس کو اپنے اعمال کی سزا ہرگز نہیں مل سکتی۔
خواجہ دل محمد اس اشلوک کو یوں بیان کرتے ہیں۔

رہے بے تعلق کرے جب عمل
خدا ہی کی خاطر کرے سب عمل
خطا سے بیشہ رہے گا ب瑞
کنول کے نہ پتے پر ٹھمرے تری
ایک فارسی شاعر کرتا ہے۔

ترک دنیا نیست ترک دولت و فرزند و زن
بلکہ دل را پاک کردن از محبت ایں و آں
دولت یوی اور بچوں کو چھوڑ دینے کا نام تیاگ نہیں ہے بلکہ ان کی محبت سے، ان کی
کشش سے دل کو پاک کر دینے کا نام ہی تیاگ ہے۔

یعنی انسان تمام کاروبار حیات میں شریک ہو، دولت بھی کمائے، شادی بھی کرے، بچے
بھی ہوں مگر دل کو ان کی محبت میں نہ پھسائے، دل میں بیشہ اپنے پرатаہا کا دھیان رکھے۔
اسی کا نام تیاگ ہے۔ اور یہی سنیاس ہے۔
مولانا روم فرماتے ہیں۔

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نے قماش و نعرو و فرزند و زن
مطلوب، دنیا داری کے کہتے ہیں؟ دولت جمع کرنے اور یوی بچوں کے ہونے کا نام
دنیا داری نہیں ہے بلکہ خدا کو بھلا دینے کا نام ہی دنیا داری ہے۔

یعنی دنیا داروہ ہے جو بچوں، یوی اور دولت کی محبت میں غرق ہو کر اپنے مالک کو بھول
جاتا ہے۔ اپنے مالک سے بے رخصی کا نام ہی دنیا داری ہے۔ اگر ان چیزوں کے ہوتے ہوئے

بھی انسان خدا کو یاد رکھتا ہے تو وہ دنیا دار نہیں بلکہ سچا تیاگی ہے۔
گورو ناک دیو بھی فرماتے ہیں۔

اجنبی مایین زخمی رہئے
یوگ یکت۔ او۔ پائے

ترجمہ: انسان کو چاہئے کہ دنیا میں برستے ہونے بھی بے تعلق رہے۔ اسی روشن اور
طریق عمل کا نام یوگ ہے۔

اسی موضوع پر گورو جی کا ایک اور فرمان ہے۔

جیسے جل میں کنول زالم۔ مرغابی۔ تیسانے
شبد سرت بھوساگر تریئے۔ ناک نام بکھانے
شید سرت بھوساگر تریئے

مطلوب کنول کے پتے اور مرغابی کے پودوں پر چکناہٹ ہوتی ہے، جس سے وہ پانی میں
رہتے ہوئے بھی تر نہیں ہوتے۔ اسی طرح انسان کو بھی چاہئے کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے
بھی دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے اور ہر وقت اپنے دل کو پر ماتما کی طرف لگائے رکھے اور
پچے دل سے اس کا بھجن (ذکر و رود) کرتا ہوا زندگی کے سمندر کو پار کرے۔
فارسی کا ایک اور شعر ہے۔

گمیر رسم تعلق دلaz مرغابی
رود در آب وجو بربخاست خنک پر بربخاست

مطلوب: اے دل! بے تعلقی کا طور مرغابی سے سیکھ کہ وہ پانی کے اندر سے جب باہر
نکلتی ہے تو اس کا جسم گیلا نہیں ہوتا۔ تمیں بھی چاہئے کہ دنیا میں اسی طرح بے تعلق ہو کر
زندگی گزارو ہاکہ جب دنیا سے تمہارے کوچ کا وقت آئے تو تمیں دنیاوی چیزوں (دھن،
بیوی، پنچ اور عزیز) چھوڑنے کا زردہ برابر بھی رنج اور دکھ نہ ہو۔

بے لوث، بے لگاؤ ہو کر دنیا میں زندگی گزارنا ہی گیتا کا اصلی اپدیش ہے۔ بھگوان کرشن
ارجن کو حکم دیتے ہیں کہ ”اے ارجن! اس دھرم یدھ میں اس طرح کو دپڑ، جس طرح
کنول کا پتہ پانی میں رہتا ہے۔“ یعنی خواہش اور لگادٹ چھوڑ کر، فقط اپنا فرض جان کر اس
دھرم یدھ میں جٹ جا۔ ایسا کرنے سے تمیں کوئی پاپ نہیں بلکہ عین پنیہ (ثواب) ہو گا۔

چھٹا باب

ضبط نفس

اس چھٹے باب کا پہلا اشلوک ہے:

انا شرتا۔ کرم بحلہ۔ کاریم۔ کرم۔ کروتی۔ یا۔

س۔ سیاسی۔ چا۔ یوگی۔ چا۔ نہ نزاگنی۔ ن۔ چا۔ اکریا

ترجمہ: اے ارجمن! جو شخص صد کی امید رکھے بغیر عمل کرتا ہے، یعنی کام کو محض فرض سمجھ کر سرانجام دیتا ہے، وہی سیاسی اور یوگی ہے نہ کہ وہ شخص جس نے عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔

مدعایہ کہ آدمی عمل کو چھوڑ بیٹھنے سے سیاسی نہیں بن سکتا۔ سیاسی وہی ہے جو عمل کے پھل کی تمنا دل میں نہیں رکھتا۔ جو آدمی ثمرة اعمال کی خواہش چھوڑ کر عمل کرتا ہے وہی سیاسی ہے نہ کہ کاہل اور بے عمل۔

اسی اشلوک میں بھگوان نے صاف فرمایا ہے کہ سیاسی اور یوگی میں کوئی اقیاز و فرق نہیں۔ بے لوث عمل کرنے والا آدمی ہی سچا سیاسی اور یوگی ہے۔ راہ عمل پر چلنے والا ہے، عمل چھوڑ کر بیٹھ جانے والا نہیں۔ وہ تو بے عمل اور بے کار آدمی ہے۔ معاشرے پر ایک

بوجھ۔

من

صاحب ! من (دل) ایک سمندر کے ماند ہے جس طرح سمندر میں ہر وقت پانی کی لمبی اٹھتی رہتی ہیں، ایک مسلسل بچل کی حالت ہوتی ہے بالکل اسی طرح من میں بھی ہر وقت بچل، بے قراری اور موجز رہتا ہے۔ لمبی اٹھتی رہتی ہیں۔ من میں اٹھنے والی ان لہوں کو خواہشات کہا جاتا ہے۔

جس طرح پانی کے لئے بہنا اس کی خاصیت ہے، جس طرح ہوا کے لئے چلنا اس کی خاصیت ہے، جس طرح لمبیں کو پیدا کرنا سمندر کی خاصیت ہے، جب تک پانی، ہوا اور سمندر ہے ان میں ان کی یہ خصوصیات بھی موجود رہیں گی۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ سمندر میں لمبیں اٹھتا بند ہو جائیں، بالکل اسی طرح جب تک من ہے، اس میں خواہشات ضرور پیدا ہوں گی۔ من ہو، اور اس میں لمبیں یا ترکیں پیدا نہ ہوں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

من میں اٹھنے والی لمبیں یا ترکیں بے شمار قسم کی ہوتی ہیں، یہی ہماری خواہشات ہیں۔ یہ من میں ایسے پیدا ہوتی ہیں جیسے پانی میں بلبلے، جو پیدا ہوتے اور مت جاتے ہیں۔ من میں اٹھنے والی خواہشات ہمیشہ من کو دنیاوی لذات کی طرف کھینچتی رہتی ہیں۔ جب تک من میں بچل رہتی ہے، من میں خواہشات اٹھتی رہتی ہیں، تب تک من کا تعلق جسم اور باہر کی دنیا کے ساتھ مضبوط اور قائم رہتا ہے۔ جب تک یہ اٹکیں اور تمباکیں پیدا ہوتی رہیں، من آتا کی طرف سے خبر رہتا ہے۔ من کی ساری توجہ دنیا، آرام و آسانیات اور لذتوں سے وابستہ رہتی ہے۔ من کا رخ بیرونی دنیا کی طرف مائل یعنی مرکز گریز رہتا ہے۔ من اپنے اندروں سے بے خبر اور بے بہر رہتا ہے۔

تریکیہ نفس

آگے چل کر اسی باب میں شری کرشن بھگوان نے یوگ ابھی اس یعنی ضبط نفس پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کو شغل بھی کہتے ہیں۔ بھگوان نے یوگ کے شغل حاصل کرنے کے طریقے بھی بتلائے ہیں۔

یہ بات عیاں ہے کہ من ایک وقت میں صرف ایک کام کر سکتا ہے۔ ایک وقت میں ایک شے سے ہی تعلق رکھ سکتا ہے، یا جسم سے، یا آتما سے۔ جب من کی وابستگی جسم سے ہوتی ہے، جب اس کا تعلق بدن سے ہوتا ہے، تو من آتما سے بے خراور بے رخ ہوتا ہے اور جب ان کی وابستگی جسم سے ختم ہو کر آتما کے ساتھ ہو جاتی ہے تو جسم اور خارجی دنیا کی کوئی خبر نہیں رہتی۔ اس وقت اس میں ساری بہچل اور اضطرابی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ نہ کوئی بے چینی رہتی ہے، نہ فکر اور نہ ہی کوئی یاد۔ اس سے من پوری طرح آتما سے ہر جاتا ہے اور داعی سکھ کا سکون پاتا ہے۔ آتما کے ساتھ وابستہ من ہو کر سروی گری، دکھ سکھ، الفت نفرت وغیرہ، کسی بھی دنیاوی قدر کا احساس نہیں رہتا۔

ایک بات یاد رہے کہ جسے دکھ سکھ کہا جاتا ہے، جسے سب الفت و نفرت کہتے ہیں، جسے سروی گری کہتے ہیں، یہ سب کے سب من کے احساسات ہی ہیں، آتما کے نہیں۔ آتما تو اس طرح کی تمام دنیاوی قدروں اور خصوصیت سے ماورا اور بے نیاز ہے۔ جب من جسم کے ساتھ جزا ہوا ہوتا ہے تب اس کو سروی گری یا دکھ سکھ جیسی باتوں کا احساس ہوتا ہے لیکن جب من آتما کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے تو اسی وقت دنیا وہندے یکسر ختم ہو جاتے ہیں۔ من کو نہ کسی سروی کا احساس رہتا ہے نہ گری کا۔ سکھ کی خوشی ہوتی ہے نہ دکھ پر حزن و ملال۔ کوئی خواہش رہتی ہے، نہ غصہ، نہ لاج، غرض اس وقت من کی یاد سے دنیا کا تصور ہی محو ہو جاتا ہے۔ تب من اس اعلیٰ ترین سکھ اور شانتی کو محسوس کرتا ہے جسے روحانی سکھ کہتے ہیں۔ اس کو پرم سکھ (ازلی طبائیت) پرم شانتی (ازلی ٹھراو) وغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ یہی ابدی خوشی اور پرماتما میں سما جانے کی حالت ہے۔

من کی اس حالت کا بیان الفاظ میں نہیں ہو سکتا۔ یہ تو چکنے اور محسوس کرنے سے

تعلق رکھتی ہے۔ روحانیت میں حاصل ہونے والا سکھ اور اطمینان قابل بیان تو نہیں البتہ
قابل محسوس ہے۔

من کا تعلق جسم سے توڑتا اور آتا سے جوڑتا، اس تزکیہ کا نام یوگ ہے۔ یوگ کے
لفظی معنی ہیں جزو۔ جب من آتا میں جزو جاتا ہے تو اس کیفیت کو یوگ کہتے ہیں۔
من کو جسم سے الگ کر کے آتا سے جوڑتا کیے آسان اور سادہ سے الفاظ ہیں، مگر یہ
کرتا ہے ہی کٹھن اور مشکل کام ہے۔ یوگ کی مشق ایسی کٹھن ہے جیسے اس سے کی دھار
پر چلانا۔ اس کے لئے ایک استاد کامل کی ضرورت ہے۔ مرشد کامل درکار ہے جو یوگ
سکھائے۔ گرو کے بغیر یوگ کا سیکھنا ناممکن ہے؛ بلکہ گرو کی رہنمائی کے بغیر یوگ کی مشق
اکثر اوقات نقصان کا باعث بنتی ہے۔

جس طرح کشتی کی کتابیں ازبر کر لینے سے کوئی آدمی پہلوان نہیں بن سکتا جب تک کہ
کسی استاد سے کشتی کا ہنر نہ سیکھا جائے۔ جس طرح شیش کی کتابیں پڑھ لینے سے آدمی
شیش کا کھلاڑی نہیں بن جاتا، جب تک کہ خون نہ کھیلے اور کافی توجہ اور محنت سے مشق نہ
کرے۔ ٹھیک اسی طرح یوگ کی کتابیں رث لینے سے یوگ نہیں آ سکتا۔ آپ سارا یوگ
شاستر (یوگ کی کتاب) حظ کر لیں مگر اس سے یوگ کی مشق نہیں آ جائے گی۔ یہ تو کسی
قابل گرو سے سیکھنے اور پھر اپنی کمالی کرنے سے آتی ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ روحانیت کے میدان میں کسی گرو کی ضرورت نہیں۔ کیسی
حریت انگیز بات ہے کہ دنیاوی علوم سیکھنے کے لئے تو گرو کی ضرورت ہے اور روحانی علم کے
لئے نہیں۔ کوئی ہنر، کوئی پیشہ، کوئی علم اس وقت تک نہیں سیکھا جا سکتا جب تک کہ کسی
گرو کی رہنمائی شامل حال نہ ہو۔ روحانیت کے میدان میں تو گرو کی مدد کے بغیر ایک قدم
بھی نہیں اٹھایا جا سکتا۔ یوگ تزکیہ نفس کرنا گرو کے بغیر صریحًا ناممکن ہے۔ مکمل گرو،
مرشد کامل بھی بڑی خوش نیسی سے ملتا ہے۔ وہ شخص انتہائی درجہ کا خوش نصیب ہے جس
کو مرشد کامل مل گیا ہو۔ ایسے گرو کے نئے کے بعد منزل مقصود چند اس مشکل نہیں رہتی۔
پھر تو یہ اپار سمجھیں۔

مولانا ناروی صاحب فرماتے ہیں۔

یک نہ مانے جتے با اولاء
خوش تاز صد سالہ طاعت بے ریا
گر تو سک خارا و مرمر بوی

چوں ہے صاحب دل رسی گوہر شوی

ترجمہ: کامل گرو کی صحبت میں ایک پل گزارنا سال کی بچی بھگتی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اے انسان! چاہے تو نوکدار پھر کی ماں ہے یا سُنگ مرمر کی طرح سخت اور اجدہ ہے، کامل گرو کی صحبت میں رہنے سے گوہر بن جائے گا۔ کامل گرو کی صحبت انسان کو پھر سے گوہر بنا دیتی ہے۔

گو سوای تلسی داس جی بھی کہتے ہیں۔

ایک گھڑی، آدمی گھڑی، آدمی کی بھی آدھ

تلسی نگت سادھ کی کوت کئے اپرادھ

مطلوب: سادھ کی نگت میں، کامل گرو کی نگت میں ایک گھڑی، آدھ گھڑی یا چوھائی گھڑی رہتا بھی کروڑوں پاؤں کو فلا اور آدھی کو پاکیزہ کر دیتا ہے۔
گورو نانک دیوبھی کا بھی فرمان ہے۔

جے سو چندرا اگوے

سورج چڑھے ہزار

اٹے تے چان ہوندیاں

گر بن گھور اندرار

ترجمہ: چاہے سیکنڈوں چاند روشن ہوں، چاہے ہزار سورج چمک رہے ہوں، اس قدر روشنی کے ہوتے ہوئے بھی جب تک مرشد کامل کی رہنمائی حاصل نہیں تاریکی ہی رہے گی۔ گرو کے بغیر انسان کے اندر ورن روشنی ہو ہی نہیں سکتی۔

بزرگوں کے ایسے فرماں کی روشنی میں یہ بات کہ روحانیت کے میدان میں علم معرفت سکھنے کے لئے، ترکیب نفس کرنے کے لئے گرو کی ضرورت نہیں ہے، کیسی پھیک اور بے معنی لگتی ہے۔

جع تو یہ ہے کہ اگر معرفت اور روحانیت کی مشکل اور انجان را ہوں پر آپ کو کوئی راہ دکھانے والے میر نہیں تو آپ کمیں بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ ایک لا حاصل تلاش کے سوا کچھ بھی نہ حاصل ہو گا۔ اندر کی محشکن باہر کی محشکن تک لے جائے گی لیکن اگر باہر کی محشکن دور کرنے اور راہنمائی کرنے والا میر ہو تو اندر کی محشکن بھی دور ہو جاتی ہے اور انسان ایک ٹھہراو میں پناہ لیتا ہے، ”جتنے نہ کوئی چڑھدی، نہ لندی اے“ یعنی جہاں موجز جذبات محدود ہو جاتا ہے۔

مرشد کامل راستہ بتاتا ہے۔ اس کے بعد گرو کی رہنمائی میں اپنی محنت کی باری آتی ہے۔ گرو کی امداد سے ترکیہ کے ذریعے آہستہ آہستہ یوگ کا طریقہ آ جاتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ من سکون پانے لگتا ہے اور بالآخر خود ہی سکون بن جاتا ہے۔ پھر تو یہ حالت ہوتی ہے کہ جب چالا میں کو سنوار سے جوڑ دیا اور جب چالا اسے سنوار سے ہٹا کر پھر آتما میں غرق کر دیا۔

جس طرح کوچوان اپنے تربیت یافہ گھوڑے کو مرضی کے مطابق تائے میں جوٹ لیتا ہے، جب جی چاہے چلاتا اور کھرا کرتا ہے اور گھوڑا بخوبی اپنے مالک کا حکم بجا لاتا ہے، بالکل اسی طرح یوگ کے ذریعہ تربیت یافتہ من کا حال ہوتا ہے۔ ترکیہ نفس سے قابو میں کیا ہوا میں اپنے مالک کے حکم کے مطابق دنیا میں بر تاؤ رکھتا ہے۔ پھر حکم ملنے پر بلا چوں و چرا سنوار سے ہٹ کر آتما میں محو ہو جاتا ہے اور روحانی طہارت کا خلا اٹھاتا ہے۔ اس کو ہم ترکیہ نفس کہتے ہیں۔ جب حضرت بابا بلہ شاہ کو ریاضت کرتے ہوئے یوگ سل ہو گیا تو انہوں نے فرمایا۔

بلیسا ! رب وا کی پاؤناں
ایتحوں پٹ تے اوتحے لاوٹاں

یعنی پرماتما کو پالیتا کوئی مشکل کام نہیں، فقط من کو دنیا کے جنبشیوں اور لگاؤٹ میں سے نکال کر پرماتما میں جوڑنے کی ضرورت ہے۔ اس سے پرماتما مل جاتے ہیں۔ یوگ میں مہارت حاصل کر لینے والے کے لئے واقعی ایسا کرنا کھلیل بن جاتا ہے۔ مگر عام آدمیوں اور طالب کے لئے یہ کام ایسا آسان کسی طور نہیں۔

یوگ کی وضاحت کرتے ہوئے شری یاگیہ ولک جی رشی فرماتے ہیں۔

جیو آتما۔ پرماتما۔ سن۔ یوگو۔ یوگا

ترجمہ: انسان کی آتما کو پرماتما کے ساتھ جوڑنے کا نام یوگ ہے۔ جب آتما پرماتما میں مل جاتی ہے۔ اس کیفیت کو، اس حالت کو یوگ کہتے ہیں۔ غالباً ”یہ کیفیت حسین بن منصور حلاج کی تھی جس نے ”ناالحق“ کا نعروہ لگایا، لیکن سرزمین عرب کا پاسی ہونے کی وجہ سے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا، کیونکہ وہاں یہ نعروہ کہ میں خدا ہوں، یا خدا مجھ میں ساگیا ہے، ایک اجنبیت اور مجرمانہ احساس لئے ہوئے تھا۔

تو ہم کہ رہے تھے کہ یوگ کی حالت میں من کی تمنائیں، ترنگیں، خواہشات، سب کی سب فتا ہو جاتی ہیں۔ من شانت ہو جاتا ہے، جیسے تالاب میں ٹھہرا ہوا پانی۔ اس حالت میں

من کی حالت دیئے کی اس لوکی مانند ہوتی ہے جو ہوا کے جھونکوں سے محفوظ جگہ پر
 مسلسل اور ایک ہی حالت میں بُلتنی ہوئی روشنی دیتی ہے۔
 یوگ کی حالت میں من شیشے کی مانند ہمار اور شفاف، برف کی مانند ٹھنڈا ہو جاتا
 ہے۔

ضبط نفس کا طریقہ

من کے آتما میں محو ہو جانے کا نام ہی یوگ ہے۔

چنانچہ پا تینل یوگ شاستر میں آیا ہے:
یوکش۔ چت۔ برتی۔ نزو دبار

یعنی من کی لہروں کو روکنے کا نام یوگ ہے۔

لیتا کے چھٹے باب میں بھگوان فرماتے ہیں:

”اے ارجمن! نہ تو بہت کھانے سے اور نہ فاقوں مرنے سے، نہ بہت سونے اور نہ
بہت زیادہ جانے سے یوگ حاصل ہوتا ہے۔“ بلکہ

یکت۔ آہار۔ دہار سیہ۔ یکت۔ چیشیشی۔ کرم۔ سو۔

یکت۔ سوپن۔ آد۔ بودھی۔ یوگو۔ بھوتی۔ دکھ با

ترجمہ: کھانے، پینے، سونے، جانے اور دوسرے کام کاچ، غرضیکہ زندگی کے سارے
کاروبار میں مناسب اور اعتدال پیدا کرنے کا نام یوگ ہے اور اس سے سب دکھ درد مٹ
جاتے ہیں۔

اس اسلوک سے عیاں ہے کہ ضبط نفس کے لئے انتہا پنڈی کی زندگی غیر ضروری بلکہ
نامناسب ہے۔ اعتدال کی زندگی سے ہی یوگ حاصل ہوتا ہے۔ بھگوان بدھ بھی جب کئی
سال کی کمکٹھن ریاضتوں سے نیم جان ہو کر گر پڑے تو انھوں نے کھانا کھایا اور اس
ریاضتوں اور فاقہ کشی کے طریقے کو ترک کر کے معتدل زندگی شروع کی۔

لہذا بالکل نہ کھانا یا بالکل نہ سونا یوگ کے لئے مضر ہیں۔ اسی طرح بہت زیادہ کھانا اور
سوٹا بھی یوگ کے لئے نقصان دہ ہے۔ مناسب سے کھانا اور اعتدال کے ساتھ ہی دوسرے
کام کرنا یوگ حاصل کرنے کا اچھا طریقہ ہے۔ قدیم ہندوستان میں ہندو یوگی اپنے کوئی ہاتھ
یا ٹانک وغیرہ ایک ہی حالت میں رکھ کر بالکل سکھا دیتے تھے، لیکن پھر بھی ان کے اندر کی
محکم دور نہیں ہوتی تھی۔ مہاتما بدھ نے ان یوگیوں والا طریقہ چھوڑ کر اعتدال سے کھایا،
پیا اور مناسب کے ساتھ دوسرے کام کرتے ہوئے غور و تفکر اور مراقبہ شروع کیا تو اس کے

نتیجے میں انہیں عرفان ذات (زروان) نصیب ہوا اور وہ "بدھ" ہو گئے۔ بدھ یعنی دانشمند۔ جاگا گا ہوا۔

اوپر دیئے گئے اسلوکوں سے یہ بھی واضح ہے کہ گھر بار چھوڑتا یا جنگلوں میں جا کر رہنے لگنا بھی دھرم کے سراسر خلاف ہے۔ چنانچہ بھارت بھوشن پنڈت مالویہ جی اس اسلوک کے بڑے ماح تھے اور ہندوؤں کو زندگی برکرنے کا مناسب اور درست راست بتانے کے لئے اکثر اپنے لیکھوں اور تحریروں میں اس اسلوک کا حوالہ دیا کرتے تھے تاکہ اعتدال کی زندگی برکر کے لوگ سکھے حاصل کریں۔

مجر صاحب نے ان اسلوکوں کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

کم خوری ہے، نہ کم خوابی ریاضت کا اصول
پر خوری سے، نہ پر خوابی سے راحت کا حصول
اعتدال خواب و خور، تفریح و محنت چاہئے
اعتدال فعل میں راحت ہے شاغل کے لئے
خواجہ دل محمد نے ان اسلوکوں کو یوں بھایا ہے۔

نہ حاصل کرے یوگ بسیار خوار
نہ وہ جس کا ہو بھوک سے حال زار
نہ وہ سو کے جو سیر ہوتا نہیں
نہ وہ بھی جو دن رات سوتا نہیں
ہو یوگی کے ہر کام میں اعتدال
غذا اور آرام میں اعتدال
مناسب ہی جاگ اور مناسب ہی خواب
منٹا ہے یوگ اسکے درد و عذاب

ضط نفیس کا طریقہ ہاتے ہوئے بھگوان کرشن فرماتے ہیں:

آدمی کو چاہئے کہ گوشه تھائی میں صاف سترھی جگہ پر آن لگانے۔ آن ٹھوس ہو،
یعنی ہلے جلے نہیں۔ آن بست اونچا نہ ہو، نہ بست بیچا، اوپنچی جگہ پر آن لگانے سے کر
پڑنے کا اندریشہ رہتا ہے اور پنچی جگہ، پر کیڑے مکوڑے بست ستاتے ہیں۔ وباں تو جیک سو
نہیں رہ سکتی۔

یہٹھے کی جگہ پر پہلے نرم گھاس بچانی چاہئے، اس کے اوپر ہرن کی کھال ہو زندگی کو

تقویت دیتی ہے۔ کھال کے اوپر کھدر کا سفید کپڑا۔ ایسے آن پر بیٹھنا چاہئے کہ سر، گروں اور پینچھے کی ہڈی کو ایک سیدھے میں اور ایک جگہ پر قائم رکھے۔ اپنی نظر کو صرف ناک کی نوک پر جمایا جائے۔ اوہرا دھر بالکل نہ دیکھا جائے۔ اس وقت کسی قسم کا خوف یا فکر دل میں نہیں لانا چاہئے اور من کی تمام تر نگوں کو زیر کرنے کی کوشش کی جائے، یعنی دنیاوی اور نفسانی خواہشات کو ابھرنے نہ دیا جائے اور دھیان مکمل طور پر پرہامتا میں لگا ہو۔ اس طرح ریاضت (مشق) کرنے سے رفتہ رفتہ من میں لہوں کا پیدا ہونا کم سے کم ہوتا جاتا ہے اور آخر کار ایک ایسی حالت حاصل ہوتی ہے جب من میں کوئی ہلچل اور کسی قسم کا اضطراب نہیں رہتا۔ اس وقت من جسم اور سنار سے سراسر بے تعلق ہو جاتا ہے اور آتما میں محو ہو کر ایک ناقابل بیان طہانتی کو محسوس کرتا ہے۔

(اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانی بست مشکل کام ہے۔ یہ چیز صرف پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے لئے کسی کامل گرو کی رہنمائی حاصل ہونی چاہئے۔)

چنانچہ بھگوان کرشن فرماتے ہیں:

یدا۔ دنی۔ یتم۔ چشم۔ آئمنی۔ ایو۔ او۔ شمشتی۔

نپرہا۔ سرو۔ کامے محبوب۔ یکت۔ الی اچیتے۔ مدا

ترجمہ: اے ارجمن! یوگ کی مشق سے جس آدمی کا من قابو میں آکر آتما میں نہ سحر جاتا ہے، یعنی جب انسان تمام دنیاوی خواہشات کو ترک کر دیتا ہے، ایسا انسان یوگی کہلاتا ہے۔ اس اشلوک کی بابت مجذع صاحب فرماتے ہیں۔

ذات کے اور اک میں جب ہو گیا قائم خیال
اور دل سے شوق لذت مٹ گیا تب ہے کمال
ضط نف کے بارے میں بھگوان کا اپدیش سن کر ارجمن نے کہا:
چنپلہ۔ ہی۔ مناہ۔ کرشن۔ پرماتھی۔ بلوت۔ درڑھم۔
تیس۔ انہم۔ گرہم۔ مینے۔ وايو۔ ایو۔ سد شکرمن

ترجمہ: اے بھگوان! یہ تن تو برا چنپل ہے اور بہت ہی طاقتور بھی۔ یہ بہکانے اور ڈرانے والا ہے۔ یہ تو آدمی کو بار بار لذات اور دنیاوی خواہشات کی طرف کھیج کر لے جاتا ہے۔ اس کو قابو میں لانا ایسے مشکل ہے جیسے ہوا پر قبضہ جانا، یعنی ناممکن۔
بہ الفاظ شاعر۔

یہ بھگوان! بے کل ہے پر شور دل

کہ سرکش ہے ضدی ہے منہ زور دل
نہ قابو میں آئے کسی حال میں
ہوا بند ہوتی نہیں جال میں

اس کے جواب میں بھگوان نے فرمایا :

”اے ارجمن! اس میں کچھ نہیں کہ من برا چپل ہے لیکن یوگ اور ضبط نفس
اور پیراگ کے ذریعہ اسے قابو میں لا لیا جا سکتا ہے۔ یوگ کی مشق سے اور دل میں ہر وقت
بے ثباتی دنیا کا خیال رکھنے سے یہ من بالآخر قابو میں آ جاتا اور ایک نقطے پر غیر جاتا ہے۔“
چنانچہ فرماتے ہیں۔

فطرتاً“ گو اضطراب درم ہے اس من کا شعار
بھوتا ہے چوکڑی جب عشق کی پڑتی ہے مار
من جب قابو میں آ جائے، پھر تو سکون اور راحت ہی راحت ہے۔ ابدی سکھے ہے،
ہمیشہ کی خوشی اور ہمیشہ کی تسلیم ہے۔
چنانچہ شاعر کرتا ہے۔

جس کو اپنے دل پر قابو اور اطمینان ہے
گرم و سرد رنج و راحت میں اسے عرفان ہے
ہے وہ واصل جس کا دل ہے مرکز علم و سور
بے تعلق، بے طبع، بے نفس ہے مت حضور
ان جذبات کو خواجه دل محمد نے یوں ادا کیا ہے۔
ارجن کرتا ہے

سکون کا جو مجھ کو سکھایا ہے یوگ
میرے دل کو بھگوان بھایا ہے یوگ
بنا اس کی لیکن نہیں مستقل
کہ چپل ہے، چپل ہے، چپل ہے دل

بھگوان کا جواب

کہا سن کے بھگوان نے اے قوی!
دل انسان کا پر شور و چپل سی
ہے ویراگ اور مشق میں یہ کمال

دل جائے قابو میں کنتی کے لال
 من کو قابو کرنے کے سلسلہ میں ساکھہ شاستر میں بھی آیا ہے کہ من ضبط اور ویراگ
 (بیراگ) کے ذریعہ ہی بس میں لایا جا سکتا ہے۔
 ضبط نفس کی تعریف کرتے ہوئے ایک ہندی شاعر نے کہا۔

ابحیاس	کرت
سچان	جزمت
جذوت	ہو
سل	آوت
	پڑے
	نیان

یعنی لگاتار مشق کرنے سے جاہل بھی عالم بن جاتا ہے۔ اندھے کو آنکھیں مل جاتی ہیں۔ جیسے رسی کے بار بار آنے جانے سے پھر کی سل پر بھی نیان پڑ جاتا ہے۔
 اسی خیال کا ایک انگریزی زبان میں بھی محاورہ ہے:

"Constant dropping weart away a stone."

(لگاتار بوند بوند پانی پکنے سے پھر میں بھی گر رہا پڑ جاتا ہے۔)
 لگاتار مشق سے مشکل کام بھی آخر کار سل ہو جاتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ ہمت نہ
 ہارے۔ لگاتار ضبط نفس کی کوشش میں لگا رہے۔ آخر کار یہ چچل من بھی ایک نہ ایک دن
 شانت ہو جائے گا۔

ارجن کا سوال

شری کرشم جی کا اپریشن سن کر ارجمن سوال کرتا ہے کہ:
 مہاراج! ایک آدمی شردا والا (عقیدت مند) تو ہے، یعنی پرماتما کا صدق دل سے
 قائل تو ہے، مگر ضبط نفس میں وہ پورے طور پر کوشش نہیں کرتا جس سے اس کا من یوگ
 کے راستے سے ڈالگا جاتا ہے اور اسے آواگوں سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ تو ایسی
 صورت میں اس کا کیا انجام ہوتا ہے؟ کیا اس کا وہ تھوڑا بہت کیا کرایا ضبط نفس بھی ضائع
 چلا جائے گا؟

ارجن کا سوال من کر بھگوان فرماتے ہیں :
 پار تھے۔ نبتو۔ اہ۔ امنز۔ وفاش۔ تی۔ دویتے۔
 نہ۔ ہی۔ کلیان۔ کرت۔ کچت۔ در تھم۔ تات۔ پختی

ترجمہ : اے ارجن ! آدمی ایک جنم میں یوگ کی جو بھی تھوڑی بست کوشش کرتا ہے وہ بھی رائیگاں نہیں جاتی، اس کا معاوضہ اگلے جنم میں ضرور ملتا ہے۔ نیکی کا صدر مل کر ہی رہتا ہے۔ نیکی کرنے والا آدمی کبھی بھی ذلت و رسائی کا شکار نہیں ہوتا۔ مرنے کے بعد اس کے درجے میں گراوت نہیں بلکہ ترقی ہوتی ہے۔
 اگلے اشوک میں بھگوان فرماتے ہیں :

اے ارجن ! ایسے لوگ اپنی یوگ کی کمالی کے مطابق سالہا سال سورگ میں رہ کر پھر دھرماتما دولت مند اور باعزت گھرانوں میں یا یوگیوں کے ہاں جنم لیتے ہیں، جہاں سے وہ پھر مکتنی کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح آدمی جنم جنم میں کوشش کرتا ہوا بست سے جنموں کے بعد مکت ہو جاتا ہے۔

وہ دنیا میں پائے جو تازہ حیات
 ہوں سب اس میں پچھلے جنم کی صفات
 کرے بہہ کے پلے سے کب کمال
 کہ تکمیل حاصل ہو، جائے زوال
 اسی سابقہ مشق کے زور سے
 وہ مقصود کی سمت بہتا چلے
 جنم پر جنم لے کے۔ پائے کمال
 کہ حاصل ہو آخر خدا کا وصال

دوستو ! بھگوان کے یہ الفاظ کس قدر امید افزا اور حوصلہ بڑھانے والے ہیں، کہ اگر ایک جنم میں نجات حاصل نہیں ہوتی تو ماہیں نہیں ہونا چاہئے۔ ایک جنم میں انسان یوگ کے راستے پر جہاں تک چلتا ہے دوسرے جنم میں وہ اس مقام سے آگے چلنا شروع کر دیتا ہے۔ جس طرح ایک طالب علم ایک سکول کو چھوڑتا ہے اور اس سکول کا سرٹیفیکیٹ ساتھ لے جاتا ہے کہ فلاں جماعت تک تعلیم پائی ہے۔ وہ دوسرے سکول میں جا کر وہ سرٹیفیکیٹ پیش کر کے اگلی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے اور اسی طرح پڑھتا پڑھتا پڑھائی کا زندہ عبور کرتا چلا جاتا ہے۔

بالکل اسی طرح یوگ میں ادھورا آدمی جب ایک جنم چھوڑ کر دوسرا جنم لیتا ہے تو اپنی محنت و کمالی کے مطابق اس کے پاس سریٹیکٹس موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ پہلے جنم میں حاصل کردہ درجے سے آگے کا سفر شروع کرتا ہے۔

اس لئے پیارے دوستو! اس جنم میں جتنا بھی ہو سکے ضبط نفس کرو۔ ریاضت کی مشق کرو، یہی کمالو، اگلے جنم میں اس جنم کی ریاضت اور یہی کی کمالی ساتھ چلے گی اور اونچا درجہ نصیب ہو گا۔ اگلا جنم موجودہ جنم سے بہر حال برتر ہو گا۔

بھگوان کی لطافت

گیتا کے ساتوں باب کو "گیان و گیان یوگ" کے نام سے موسم کیا گیا ہے۔ شری کرشن بھگوان ارشاد فرماتے ہیں:

متا۔ پرترم۔ نہ۔ انسیت۔ کنخت۔ استی۔ دھمن ہے۔
مئی۔ سرورم۔ ادم۔ پرودم۔ سورترے۔ منڑی۔ کنڑا۔ او

ترجمہ: اے ارجمن! مجھ سے برتر اور کچھ بھی نہیں ہے۔ میں سب سے افضل ہوں۔
اعلیٰ ہوں۔ یہ سارا سنوار مجھ میں پرویا ہوا ہے۔ جیسے دھاگے میں منکے پروئے ہوئے ہوں۔
بے الفاظ مجرّد صاحب۔

جیسے موتی کی لڑی میں تار ہے اک درمیان
سارے علم میں ہوں طاری اس طرح اور ہوں نہایا
خواجہ دل محمد نے اسے یوں بیان کیا۔

سن ارجمن! کہ برتر مری شان ہے
بڑھے مجھ سے، یہ کس کا امکان ہے
پرویا ہے سب کچھ میرے تار میں
یہ ہیرے ہیں جیسے کسی ہار میں
پرما تما سب سے افضل ہیں۔ اس بارے میں کٹھ اپنند میں آیا ہے:
پرشات۔ نہ پرم کنخت۔ سا۔ کاشھا۔ سا۔ پرا۔ گتی

ترجمہ: پرما تما سے برتر اور کوئی چیز نہیں۔ وہ لطیف سے لطیف ہے۔ گویا لطافت کی انتتا ہے۔ وہ پرم گتی، یعنی حیات انسانی کے مقصد کی انتتا ہے۔
گیتا کے تیرھویں باب میں بھی آیا ہے۔

سو کشم۔ توات۔ بت۔ اوگے۔ یم

ترجمہ: پرما تما کی لطافت انتتا ہے۔ وہ بے حد لطیف ہے۔ اور لطیف ہونے کی وجہ سے

پر ماتما کو جانا بہت مشکل ہے۔

ساتویں باب میں آگے چلن کر بھگوان فرماتے ہیں :

دیلوی - ہی - ایشا - گن - می - مم - مایا - درت - میا -
مام - ایو - یے - پرید نتے - مایا - میا - ترتی - تے

ترجمہ : اے ارجمن ! یہ میری لطافت بہت زیادہ دل کو لبھانے والی ہے۔ اس کو پار کرنا بہت ہی دشوار ہے۔ البتہ جو مری عقیدت حاصل کرتے ہیں وہ اس لطافت میں سے گزر جاتے ہیں۔

کرتیے کامکھ لینی روئے حقیقت سونے کے برتن سے ڈھپنا ہوا ہے۔ جو اپنی چمک سے آنکھوں کو خیرہ کر دینے کی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ اے بھگوان ! آپ اس برتن کو ہٹائیں تاکہ ہم حقیقت کو دیکھ سکیں۔

یہاں سونے کے برتن سے مراد بھگوان کی لطافت ہے جو کہ سونے کی طرح دل کش اور دل موہ لینے والی ہے اور اس کا جیتنا بے حد مشکل ہے۔ پر ماتما کے چہرے پر لطافت کا پروہ پڑا ہوا ہے، جو اپنی چمک دھمک سے آنکھوں کو چندھیا اور برہم سے غافل کر دیتی ہے۔ البتہ جس نے اس لطافت پر غلبہ پالیا ہے وہ بہت بڑا بہادر ہے۔

مایا کے متعلق کبیر بھگت جی کا ایک نہایت دلچسپ شعر ہے۔ فرماتے ہیں -

مایا	تو	بھگتی	بھی
مھگتی	پھرے	سنار	
جس	مھگ	نے	بھگتی
تس	نمھگ	کوں	نمکار

مطلوب : مایا (لطافت) ایک زبردست بھگتی ہے۔ جو ساری دنیا کو مھگتی پھرتی ہے۔ اس آدمی کو سلام جس نے ایسی بھگتی کو نمھگ لیا۔ یعنی جو اس لطافت پر غالب آگیا ہے، اس آدمی کے لئے بھگوان کا دیدار آسان اور ممکن ہے۔

چار قسم کے بھگت

اس سے آگے بھگوان کا ارشاد ہے:

چتر۔ ودہا۔ سختتے۔ مام۔ جنا۔ سکرتو۔ ارجمن۔

آرتو۔ بگیاسو۔ ار تھاتھی۔ گیانی۔ چہ۔ بھرت۔ ار بھہ

ترجمہ: اے ارجمن! چار قسم کے انسان میرا ذکر کرتے ہیں۔ ایک دکھی، دوسرے میری
کھوج کرنے والے، تیسre غرض مند جو کوئی مراد پوری کرنا چاہتے ہیں اور چوتھے گیانی
(عارف)۔

بھگوان کو یاد کرنے والوں کی یہی چار اقسام ہیں۔

ایک تو وہ ہیں جو آگے پیچھے بھگوان کو ہرگز یاد نہیں کرتے مگر جب دکھ درد یا کسی
تکلیف اور مشکل میں گرفتار ہو جاتے ہیں تبھی انہیں بھگوان یاد آتا ہے۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جن کو بھگوان کی کھوج اور تلاش ہے۔

تیسre وہ لوگ ہیں جو غرض مند ہیں۔ جن کا کوئی مطلب انکا ہوا ہے اور دھن دولت
یا اولاد کی غرض سے بھگوان کو یاد کرتے ہیں۔

چوتھے وہ لوگ ہیں جن کو بھگوان کا گیان ہو گیا ہے۔ گیانی یعنی عارف لوگ ہر دم
بھگوان کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ جو یاد الٰہی میں سدا مست و بے خود رہتے ہیں۔

اگلے اشلوکوں میں بھگوان نے فرمایا ہے کہ یہ چاروں بھگت مبارک ہیں مگر گیانی تو مجھے
بہت ہی پیارا ہے۔ اور میں گیانی کو بہت پیارا ہوں۔

بے الفاظ مجذز صاحب۔

یاد کرتے ہیں مجھے یہ چار ہر عافیت

غم رسیدہ، طالب دنیا و دین و معرفت

عاشق صادق میرا جو مجھے میں واصل ہو گیا

اس کا میں پیارا ہوں ارجمن! اور وہ پیارا میرا

گیانی کے بارے میں خواجہ دل محمد یوس فرماتے ہیں۔

جو گیانی ہے چاروں میں سردار ہے
مجھی میں وہ یکدل ہے سرشار ہے
کرے ذات یکتا کی بھگتی سدا
میں پیارا ہوں اس کا، وہ پیارا میرا
اس مضمون کو گوسای تلسی داس جی یوں بیان کرتے ہیں۔

رام بھگت جگ چار پر کارا
سکرتی، چاروں ان آگہ ادара

مطلوب: چار قسم کے بھگتوں کو یاد کرتے ہیں۔ اور چاروں ہی نیک مبارک اور پاک ہیں۔

جب ہیں نام، جن آرت بھاری
میں کو سنت، ہوویں سکھاری

مطلوب: دکھی لوگ جب بھگتوں کو یاد کرتے ہیں تو بھگتوں ان کا دکھ منا کر انہیں سکھ
بننے ہیں۔

آگے چل کر تلسی داس جی کرتے ہیں۔

چوں چتر۔ کیس نام ادھارا

گیانی پر بھو ہی وشیش پیارا

مطلوب: یہ چاروں قسم کے بھگتوں کے نئے شری بھگتوں کا نام
ہی سارا ہے۔ مگر ان میں گیانی بھگت ہی پر بھو کو بے حد پیارا ہے۔
دکھ میں پر ماہما کو یاد کرنے والوں کی بابت بکیر بھگت جی فرماتے ہیں۔

دکھ میں سمن سب کریں

سکھ میں کرے نہ کوئے

جو سکھ میں سمن کریں

دکھ کاہے کو ہوئے

اس مضمون کو پر ماہما نے پھر دوسرے پیرا یہ میں یوں ادا کیا ہے۔

سکھ کے ماتھے سل پڑے

جو نام ہوئے تے جائے

بلہاری وا۔ دکھ کے

پل پل نام چائے
مطلوب : سکھ ماتھے پر پھر پڑیں، کیونکہ سکھ کی وجہ سے انسان پر ماتما کو بھول جاتا ہے۔
دکھ پر قربان جاؤں جو ہر وقت آدمی کا دھیان پر ماتما میں لگائے رکھتا ہے۔
مولانا اکبر اللہ آبادی کا شعر ہے۔

مقام شکر ہے غافل مصیبت دنیا
اسی بہانے سے اللہ یاد آتا ہے
گور و ناک دیو جی بھی فرماتے ہیں۔
دکھ دارو، سکھ روگ بھیا

یعنی سکھ بیماری ہے کیونکہ یہ آدمی کو پر ماتما سے بے خبر کر دیتا ہے۔ دکھ اس بیماری کا علاج ہے، کہ یہ انسان کو پر ماتما کی یاد میں لگاتا ہے۔ دکھ کی اس خوبی کو دیکھ کر بھگوان کے بھگتوں نے اسے سکھ پر ترجیح دی ہے۔

شرمید بھاگوت پران میں آیا ہے کہ جنگ مہا بھارت کے ختم ہونے پر جب شری کرشن جی دوار کا جانے لگے تو آپ نے مہارانی کنتی جی سے کہا کہ اے ماتا! میں اب واپس جانے والا ہوں۔ آپ مجھ سے کوئی در مغلیں۔ اس پر ماتا کنتی نے ور مانگا کہ اے جگت گورو! میری یہ خواہش ہے کہ ہمیں قدم قدم پر تکالیف کا سامنا ہو۔

شری کرشن جی نے کہا، ماتا! یہ تو نے کس قسم کی خواہش کی ہے؟ ماتا نے کہا، کہ جب ہم پر مصیبتوں اور تکالیف آئیں گی تو اس وقت ہمیں آپ یاد آئیں گے۔ اور ہماری پکار سن کر آپ ہماری مدد کے لئے ضرور پہنچیں گے۔ اس سے ہمیں آپ کے درشنا ہوں گے۔ اس سے بڑھ کر ہمیں اور کیا چاہئے۔ میں نے خواہش تو دکھ کی کی ہے، لیکن اس خواہش سے مجھے آپ کے درشنا نصیب ہو جائیں گے۔

دوستو! اس واقعہ سے اندازہ لگائیے کہ بھگوان کے بھگت اور ایشور کے شیدائی دکھ کو بڑی نعمت سمجھتے ہیں۔ بھگوان سے کچھ مانگتے ہیں تو دکھ اور مصیبتوں تاکہ وہ اس کے ذریعہ ہر وقت پر بھوکو یاد رکھ سکیں اور اپنے پیارے کی یاد سے ایک لمحہ بھی غافل نہ رہیں۔ ماتا کنتی نے پھر کہا، کہ جب آدمی سکھ میں ہوتا ہے تو وہ دھن دولت، یہوی پنجے، مرتبہ وغیرہ میں مست ہو کر اندھا ہو جاتا ہے اور بھگوان کو بھول جاتا ہے۔ دکھ کی ٹھوکر سے ہی آدمی کا ناشر نوٹا ہے۔

بـ الفاظ شاعر۔

غم جوانی کو جگا دیتا ہے لف خواب سے
ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے
غم نہیں، غم روح کا اک نغمہ خاموش ہے
جو سرود برباط ہستی سے ہم آغوش ہے

مطلوب : عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے انسان کو غم کی مھوکر بیدار کر دیتی ہے جس
طرح خاموش سارگی کو مضراب جگادیتی ہے۔ دراصل غم روح کا ایک خاموش نغمہ ہے۔ جو
ہستی کی سارگی سے یک تار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرماتما کے بھگت سکھ کی نسبت دکھ کو ترجیح
دیتے ہیں۔ کیونکہ دکھ بھگوان کی بھگتی کرتا ہے اور سکھ آدمی کو بھگوان سے بے رخ کر دیتا
ہے۔

آخری وقت کی سوچ، اگلے جنم کی بنیاد

گیتا کے آٹھویں باب میں ارجمن سوال کرتا ہے کہ مہاراج! مرنے کے وقت آپ کس طرح جانے جاسکتے ہیں۔

بھگوان جواب دیتے ہیں:

انت کالے۔ چہ۔ مام۔ ایو۔ سرن کتو۔ کلیورم۔

یا۔ پریاتی۔ ساد۔ مدھاوم۔ یاٹی۔ نہ۔ استی۔ اتر۔ شی۔

ترجمہ: اے ارجمن! جو آدمی آخری وقت میں مجھے یاد کرتے ہوئے جنم کو چھوڑتا ہے وہ مجھ کو پاتا ہے۔ اس میں کوئی بھی شک نہیں۔

بے الفاظ خواجہ دل محمد

جب انسان جہاں سے گزرتا ہوا
مجھے ہی کرے یاد، مرتا ہوا
تو پھر اس میں شک کا نہیں اختال
اسے مر کے حاصل ہو میرا وصال

آخری وقت میں، مرتے وقت جو آدمی بھگوان کو یاد کرتا ہوا اپنی سائیں چھوڑتا ہے، جو اوم، اوم کرتا ہوا جسم سے جدا ہوتا ہو، اسے ضرور نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ بھگوان کو پالیتا ہے۔ برہما میں جذب ہو جاتا ہے۔

اسی بنا پر ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ "انت متی، سو گتی"

یعنی آخری وقت میں انسان کی کی جیسی سوچ ہوتی ہے، ویسا ہی اس کو صلد ملتا ہے۔ مرتے وقت آدمی کا دھیان جس چیز میں لگ جاتا ہے، اگلے جنم میں اسی کو پاتا ہے۔ آخری خیالات کے مطابق ہی اسے پھل ملے گا۔

اگلے اشلوک میں بھگوان فرماتے ہیں:-

"اے ارجمن! آخری وقت میں انسان جس جس خیال اور جذبہ کو دل میں رکھتا ہوا جسم

کو خیال کرتا ہے، اسی خیال اور جذبے کے مطابق اگلا جنم لیتا ہے۔“
انسان جس جذبے سے اکثر مغلوب رہتا ہے۔ آخری وقت بھی اس کے دل میں وہی
جدبات الہ میں آتے ہیں۔ نیک آدمی کو آخری وقت میں نیک ہر سے آدمی کو برائی، دانی کو
دان، حربیں کو حرب اور کنجوں کو دھن، بھگت کو بھگتی کے خیالات ہی آئیں گے۔
اس سلسلہ میں ترلوچن بھگت کا شتر ہے۔

انت کال جو پھی سرے
الکا چتا میں جو مرے
سرپ، یونی دل ول اترے
اری بای، گوند نام مت بیرے

مطلوب: جو آدمی آخری وقت میں دھن اور دولت کو یاد کرتا ہوا مرتا ہے، وہ بار بار
سانپ کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے بھگوان کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے تاکہ ورد خدا
انتا پختہ ہو جائے کہ مرتے وقت، عالم نزع میں بھی، آدمی بھگوان کو یاد کرتا رہے اور دوبارہ
پست یا کم تر جنم لینے سے نجت جاتے، بھگوان میں سا جائے۔
 واضح رہے کہ سانپ کو دھن بہت پڑا رہتا ہے اور عموماً یہ دفینوں کی حفاظت کرتے
ہوئے دیکھا گیا ہے۔
بھگت جی آگے کہتے ہیں۔

انت کال جو استری سرے
ویشا یونی، دل ول اترے
انت کال جو لڑکے سرے
سوکریونی دل ول اترے
انت کال جو مندر سرے
پریت یونی دل ول اترے
اری بای، گوند نام مت بیرے

مطلوب: جو آدمی آخری وقت میں عورت کو یاد کرتے ہوئے جسم چھوڑتا ہے وہ بار بار
کنجی کا جنم لیتا ہے۔ جو آدمی اپنے بچوں کو یاد کرتے ہوئے مرتا ہے، وہ بار بار سور کا جنم
لیتا ہے۔ جو آدمی حالت نزع میں اپنے مکاتب اور محلوں کو یاد کرتا ہے، وہ بار بار بھوت کا
جسم لیتا ہے اس لئے پرماٹا کو کبھی نہیں بھلانا چاہئے۔ کیونکہ جو آدمی پرماٹا کو یاد کرتا ہوا،

اسکا نام لیتے ہوئے جسم چھوڑے گا، اسکے دل میں بھگوان گھر کر لیں گے اور وہ مکتبی (نجات) حاصل کر لے گا۔ وہ تاخ ارواح کے چکر سے ماورا ہو جائے گا۔
ایک شاعر نے ان اشلوکوں کا ترجمہ یوں کیا۔

وقت رحلت یاد میں میری جھکتا ہے جو سر
مجھ میں بے شک وصل ہوتا ہے وہ قلب چھوڑ کر
یہ سمجھ لے آخری دم جس کا جیسا ہو خیال
انپی نیت کے مطابق اس میں ہوتا ہے وصال

ورد خدا

مگر آخری وقت میں پر ماتما خدا تب ہی یاد آسکتا ہے جب زندگی میں بھی اسے ہر دم یاد رکھا جائے اور یاد کرنے کی مشق اتنی کمی ہو جائے کہ بے اختیاری میں بھی منہ سے اوم، اوم ہی نکلے۔ ایسی صورت میں پھر مرتبے وقت بھی منہ سے اوم کا لفظ ہی نکلے گا۔ آخری وقت میں بھی پر ماتما کو یاد رکھنا اتنی مشکل بات ہے کہ عام انسان تو کیا اچھے اچھے ریاضت کشون اور یو یگوں میں سے بھی کسی خوش نصیب کو ہی یہ درجہ میر آتا ہے۔

چنانچہ اس بارے میں تسلی داس جی فرماتے ہیں۔

کوٹ۔ کوٹ۔ منی۔ پن۔ کراہیں۔

انت۔ رام۔ کہ۔ آوت۔ ناہیں۔

مطلوب : کوڑہا منی کوشش کرتے ہیں کہ آخری وقت میں رام کو یاد کرتے ہوئے جنم پھوڑیں، مگر اس وقت ان کے منہ سے رام کا نام ہی نہیں نکلتا۔ یہ تو بڑے نصیب کی بات ہے۔

پیارے دوستو! اگر جنگل میں بیٹھ کر اور دنیا سے لا تعلقی کر کے تپیا اور کٹھن ریا نہیں کرنے والوں کا یہ حال ہے تو عام لوگ کس گنٹنی میں آتے ہیں بھلا؟ دنیاوی لذات میں بچنے ہوئے لوگ آخری وقت میں بھگوان میں اپنا دھیان کیسے دھر سکتے ہیں لہذا ضروری ہے کہ انسان ہر وقت بھگوان کا ورد کرے۔ اس کے دھیان میں لگا رہے تاکہ آخری وقت میں بھی وہ بھگوان کو یاد کرتا ہوا اس سے جا ملے۔

اسی لئے بھگوان کرشن جی فرماتے ہیں :

تممات۔ سرویشو۔ مام۔ انوسمر۔ یدھ۔ چہ۔

ترجمہ : اس لئے اے ارجمن! تو ہر وقت مجھے یاد کر اور جنگ بھی کر۔ اپنے دل اور عقل کا ناطر میرے ساتھ بھوڑ دے۔ ایسا کرنے سے تو ضرور مجھے پالے گا۔

ہندو مذہبی کتب میں عموماً ورد پر بھو پر زور دیا گیا ہے۔ یاد حق کی عظمت کے گیت گائے گئے ہیں مگر بھگوت یگتا ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں ورد خدا کے ساتھ ساتھ زندگی کی تہک و دو میں حصہ لینے، حتیٰ کہ جنگ کرنے کی ہدایت بھی کی گئی۔

آگے چل کر بھگوان فرماتے ہیں :
 مام۔ اپیت۔ پرجم۔ دکھ۔ آئیم۔ اشاشو تم۔

نہ۔ اپنودنی۔ مہاتما۔ سندر حم۔ پرمام۔ گناہ
 ترجمہ : اے ارجمن ! مجھے پاکر مہاتما لوگ اس دکھ بھرے اور فانی جہاں میں پھر جنم نہیں
 لیتے۔ یعنی بیویش کے لئے مجھ میں سما جاتے ہیں۔ یہ دنیا دکھ سے الی ہوتی ہے۔ اس میں پر بھو
 بھگتی عشق الٰہی سے بڑھ کر اور کوئی کام ہے ہی نہیں تاکہ دکھ بھرے اس سنار سے نجات
 پاکر آدمی سکھ رہ پ بھگوان میں سما سکے۔

کھٹ اپنڈ میں آیا ہے کہ جس طرح شدھ جل (پاکیرہ صاف پانی) میں شدھ جل مل جاتا
 ہے۔ اس طرح شدھ آتما بھی پر ما تما میں سما جاتی ہے۔ جنم مرن کے چکر سے کخت ہو جاتا
 ہے۔

سکھ منی صاحب میں گوروار جن دیوبھی فرماتے ہیں ۔

جھیوں	جل	میں	جل	آئے	کھٹانا
تیوں	جوتو	نک	جوت	سما	
مٹ	سکھے	گون	پالیا	برام	
نائک	پر بھ	کے	صد	قریان	

مطلوب : جیسے پانی میں پانی اور روشنی میں روشنی مل جاتی ہے، ویسے ہی نجات یافتہ آتما
 پر ما تما میں مل جاتی ہے اور آدمیوں کا پچھر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ انسان اس صورت میں
 لا لفافی ہو جاتا ہے۔

پیارے بھائیو ! اس جنم مرن کے چکر سے چھوٹے کے لئے اگر کوئی آسان سے آسان
 طریقہ ہے تو وہ ورد خدا کا ہے۔ یاد حق کا طریقہ ہی سب سے سل اور افضل ہے۔ اس
 لئے مناسب بلکہ ضروری ہے کہ ہر وقت ورد خدا کر کے، یاد حق میں محو ہو کر اپنے اس
 انسانی جنم کو کامیاب بنائیں۔ مجر صاحب کا فرمان ہے ۔

اسم اعظم اوم کا جو ذکر کرتا ہے مام
 کوچ کر کے جسم سے پاتا ہے وہ اعلیٰ مقام
 دم بہ دم تا وقت آخر جس کو میرا دھیان ہے
 مجھ سے ملنا ایسے مشاغل کے لئے آسان ہے

مجھ میں داصل ہو چکا تکیل سے جو شغل ہے
دارفانی کو نہیں ہوتی ہے اس کی واپسی

حصول خدا

بھگوت گیتا کے نویں باب کو حصول خدا (راج و دیا) کہتے ہیں، کیونکہ اس باب میں برہم و دیا (Theology) کی وضاحت کی گئی ہے۔ جو کہ تمام و دیا توں (Logies- علمیات) سے برتر ہے۔ تمام علوم کا راجہ ہے۔ اس باب میں معرفت کے دلچسپی راز بتائے گئے ہیں۔ برہم کو حاصل کرنے کا طریقہ بتا دیا گیا ہے۔

بھگوان فرماتے ہیں :

”اے ارجن! میرے نظر نہ آنے والے، باطنی روپ سے یہ سارا جگت بھرا ہوا ہے، یہ سب جاندار میرے ہی آسرے پر ہیں، میں ان کے آسرے پر نہیں۔ تمام رنگ و رونق دنیا میرے سے ہے، میں اس سے نہیں۔“

یہ سب جگت بھگوان سے کیسے بھرپور ہے؟ اس کی مثال مذہبی کتب میں برف اور پانی سے دی گئی ہے کہ جیسے پانی سے برف بھرپور ہوتی ہے، اسی طرح بھگوان سے سارا جگت بھرپور ہے۔ جس طرح پھول میں خوشبو ہوتی ہے، جس طرح دودھ میں چکنائی ہوتی ہے، اسی طرح سنار میں برہم سمایا ہوتا ہے۔

دوسرے یہ سارا جگت بھگوان کے آسرے پر ایسے ہے جیسے ہوا آکاش کے آسرے پر ہوتی ہے۔ جس طرح آکاش ہوا میں سمایا ہوتا ہے اسی طرح بھگوان سارے جگت میں رضا بسا ہوا ہے۔ مگر بھگوان کا یہ باطنی روپ نظروں سے دکھائی نہیں دے سکتا۔ البتہ چشم بینا سے اندر کی آنکھ سے بصیرت خودی سے بخوبی نظر آتا ہے۔

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ مایا میں پھنسا ہوا شخص مجھے نہیں جانتا، بلکہ — موگھ۔ آشا۔ موکھ کرمانزو۔ موگھ گیانا۔ وجہت سا۔

را کھشیم۔ آسریم۔ چیو۔ پر کرتم۔ موہنیم۔ شرتا۔ ترجمہ : ایسے نامیا میں پھنسنے ہوؤں کی تمام خواہشات فضول ہیں۔ ان کی تمام خواہشیں بے وقت ہیں۔ ان کے سارے کام بے فائدہ اور سارا گیان بھی فضول ہے۔ ایسے جاہل

لوگ را کخشی اور شیطانی فطرت والے ہیں۔ شیطانی سیرت والے، یہ شیطانی سیرت ان کو ہمیشہ حرص میں ڈالے اور لذاتِ نفسی میں پھنسائے رکھتی ہے۔ بھگوان کی جانب رجوع ہی نہیں کرنے دیتی۔

مگر اس کے بر عکس مہاتما لوگ نیک سیرت ہو کر مجھے دنیا کی بنیادی علت جانتے اور مانتے ہیں۔ میری لافالی اصلیت، جو جہان کی علت اول ہے، بخوبی سمجھتے ہیں اور یہ سب باشیں جانتے ہوئے، ایسا سمجھتے ہوئے یکمیوئی سے میرا ذکر کرتے ہیں۔ خواجه دل محمد صاحب نے ان اشلوکوں کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

عبد ہیں امیدیں عبد ہیں عمل
عبد علم ان کا، بھج میں خلل
طبیعت میں دھوکا بھی وحشت بھی ہے
بھری شینست بھی، خلاشت بھی ہے
وہ انساں، بڑی جن کی ہے آتا
وہ ہیں نیک فطرت، جو ہیں دیوتا
کریں قلب یک سو سے پوچا میری
میں ہوں لافاً منع زندگی
آگے چل کر بھگوان فرماتے ہیں۔

یا نتی۔ دیو ورتا۔ دیوان۔ پتری یا نتی۔ پتری ورتا۔

بھوتانی یا نتی۔ بھوتے جیا۔ یا نتی۔ مد۔ یا جنو۔ اپی۔ مام

ترجمہ: اے ارجمن! آدمی جس کی پوچا کرتا ہے خود بھی ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ دیوتاؤں کو پوچنے والے دیو لوک، یعنی دیوتاؤں کی دنیا پاتے ہیں۔ پتروں یعنی بزرگوں کی ارواح کو پوچنے والے بزرگوں کی روحوں والی دنیا میں جاتے ہیں۔ بھوت پریتوں کو پوچنے والے بھوت پریتوں کو پچھتے ہیں۔ اور اے ارجمن! میرا بھجن کرنے والے مجھے پاس ہوئے ہیں۔
بقول شاعر۔

منائیں جو پتروں کو پتروں تک آئیں
جو بھتوں کو پوچھیں وہ بتوں کو پائیں
ضم کے پچاری ضم سے ملیں
ہمارے پرستار ہم سے ملیں

اس لئے آدمی کو چاہئے کہ ہر وقت میری ہی عبادت کرے۔ میری بھگتی کرے۔ بھگوان کی بھگتی کرنے والا آدمی بھگوان میں ہی سما جاتا ہے۔ اور جنم مرن کے چکر سے یہیشہ کے لئے چھوٹ جاتا ہے۔

اگلے اشلوک میں لکھتے ہیں۔

یہت۔ کروشی۔ پت اشیا۔ پت جھوٹی۔ دواہی یہت۔
یہت۔ چیسی۔ کونیہ۔ نت۔ کرشو۔ مد۔ راپنم

ترجمہ: اس لئے اے ارجمن! جو کچھ تو کرے، جو کچھ کھائے، جو کچھ بھینٹ اور دان کرے اور جو ریاضت کرے، ان سب کو میری نذر کر دے۔ اس سے میری عبادت ہوگی۔

شاعر نے کہا ہے:

فقط میری خاطر تو ہر کام کر
ہون، دان دے سب میرے نام پر
تیرا کھانا پینا ہو میرے لئے
تیرا تب سے جینا ہو میرے لئے
جو شخص کوئی کام کرتے سے یہ خیال کرتا ہے کہ اس کام کو بھگوان کی نذر کرنا ہے، وہ
بھلا پاپ کیا کر سکے گا۔ وہ تو یہیشہ نیکی ہی کرے گا تاکہ ان نیک کاموں کو بھگوان کی نذر
کر کے سرخرو ہو سکے۔

اس باب کا آخری اشلوک ہے:

من منا۔ بھو۔ مد بھکتو۔ مد بھی۔ مام۔ نمکو۔

مام۔ ایو۔ اشیسی۔ یکت۔ ایوم۔ آتمانم۔ مت۔ پرا ٹیزہم

ترجمہ: اے ارجمن! تو مجھ میں دل لگا، میری بھگتی کر میرے لئے ہی بھینٹ اور قربانی کر۔ تو مجھے نسکار کر۔ میرے شرنوں میں آکر اپنی آتما کو میرے ساتھ جوڑ۔ تو مجھے ہی پائے گا۔ اس میں زرد بھی شک نہیں۔
بعض عالم اس اشلوک کو گیتا کا بہترین اشلوک گرداتے ہیں۔

بقول شاعر۔

مجھ میں اپنا دل لگا اور مجھ کو سچا مان لے
میری خاطر کر ریاضت مجھ کو مالک جان لے

لند ہستی کر مجھے تفویض، تو ہو جا فنا
مجھے میں واصل ہوگا، میرے قول پر ایمان لا

دسویں باب

نور جمالی

دسویں باب میں بھگوان اپنی جلال و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
 اہم۔ سرو سیہ۔ پربھود۔ متا۔ سروم۔ پورتتے۔
 آتی۔ متوا۔ صحنتے۔ مام۔ بدھا۔ بھاوسکمن۔ دتا
 ترجمہ: اے ارجمن! میں سب کا پیدا کرنے والا ہوں اور مجھ سے ہی سارا کارخانہ
 کائنات چل رہا ہے۔ مجھے ایسا جان کر گیاں لوگ دل سے میرا ذکر کرتے ہیں۔ اس طور مجھے
 سمجھ کر عارف میری عبادت کرتے ہیں۔

بے الفاظ شاعر۔

سب کا میں آغاز ہوں، اور مجھ سے ہے سب کا ظہور
 یہ سمجھ کر یاد کرتے ہیں مجھے اہل شعور
 جو عقیدت مند مجھ پر ہیں دل و جان سے ندا
 جن کو دامِ مشغله ہے میرے ذکر و نکر کا
 دل سے میری بندگی کرتے ہیں جو صبح و ما
 علم عزیز ان کو ببر وصل کرتا ہوں عطا
 بھگوان فرماتے ہیں کہ میرے جلووں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ خاص خاص جلووں کا ذکر
 تیرے لئے کرتا ہوں۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

اہم۔ آتما۔ گڑا کیش۔ سرو بھوت۔ آشے۔ سختا۔

اہم آوش۔ مدھیم۔ چہ۔ بھوتا نام۔ انت۔ الیو۔ چہ

ترجمہ: اے ارجمن! سارے جانداروں کے اندر موجود آتما میں ہوں۔ کائنات کا شروع

و سط اور آخر بھی میں ہی ہوں۔

بے الفاظ شاعر۔

مجھ سے سن اب تذکرہ تو میرے خاص اعجاز کا
میرے جلوؤں کی نہیں ہے یوں تو کوئی انتہا
اے دلاور ! سب کے باطن پر تسلط ہے میرا
ابتداء وسط و آخر ہوں میں کل اجسام کا
اگلے اشلوکوں میں بھگوان اپنی جلال و عظمت کا ذکر یوں کرتے ہیں۔
”جوتو شام۔ ردی۔ انشوان“

روشنیوں میں میں کرنوں والا آنتاب ہوں، جو کہ روشنی والوں میں سرتاج ہے۔ میں
اشیائے سرور میں آنتاب۔
”کھشترا۔ اثرام۔ اہم۔ ششی“

ستاروں میں میں ماہتاب ہوں۔ چاند ستاروں کی ملکہ ہے۔ میں منازل میں تاروں کے
میں چاند ہوں۔

”دیوانام۔ اسکی۔ واسوا“

دیوتاؤں میں میں سب دیوتاؤں کا راجہ ایندر ہوں۔ میرا دیوتاؤں میں ایندر ہے نام۔
”ایندریا نام۔ منش چاہی“

حسوں میں میں من ہوں جو کہ تمام حسوں کا راجہ ہے۔ حسوں میں ہوں ”من“ مجھ کو
پہچان تو۔

”مرشی نام۔ بھرگو۔ اہم“

مہارشیوں میں میں بھرگو مہارشی ہوں، جو کہ سب رشیوں سے افضل ہیں۔ بھرگو
ہوں میں رشیوں کا سردار ہوں۔

”گرام۔ اسکی۔ اکیم۔ اکشم“

الفاظ میں میں ”اوُم“ لفظ ہوں۔ جو سب لفظوں سے برتر ہے۔ خن میں خن حرف
اوٹکار ہوں۔

”ستھاور انام۔ ہمالیہ“

غیر متحرک چیزوں میں میں پہاڑ ہمالیہ ہوں۔ اور ہمالیہ تمام پہاڑوں میں سب سے اول
نمبر ہے۔ جو محکم ہیں ان میں ہمالیہ ہوں میں۔
بے الفاظ مجز صاحب۔

راج رشیوں میں ہوں بھرگو، اکشوں میں ہوں اکار

کوہساروں میں ہمالہ، مشغلوں میں ذکر یار

”زرا نام۔ چا۔ زراد سیم“

انسانوں میں میں راجہ ہوں۔ جو انسان ہیں ان میں شہرے بے عدیل۔

”و صنیو نام۔ اسی۔ کام دھک“

گایوں میں میں کام دھنیو گائے ہوں۔ میں گایوں میں ہوں کام دھک بیگماں

”بیما۔ نشم۔ تام۔ اہم“

حکمرانوں میں یہ راجہ یعنی ملک الموت ہوں، جو راجاؤں کا بھی راجہ ہے۔ میں دنیا کے

فرمانرواؤں میں یہم۔

”مرگا نام۔ چا۔ مرگ اندور۔ اہم“

جانوروں میں میں شیر ہوں۔ میں شیر بہر سب درندوں میں ہوں۔

بھگوان آگے فرماتے ہیں:

”رام۔ شتر۔ بھرتام۔ اہم“

ہتھیار اٹھانے والوں میں میں شری رام ہوں۔ میں ہوں اہل شمشیر میں رام خود۔

”سروت۔ سام۔ اسی۔ جانسوی“

ندیوں میں میں گنگا ہوں۔ ندیوں میں گنگا مجھے مان تو۔

”اوھیاتم۔ ودیا۔ ودیا نام“

یعنی ودیاؤں (علوم) میں میں برہم ودیا (علم معرفت) ہوں۔ میں علوم میں ہوں علم

ذات اے عقیل۔

”مرتیو۔ سرو۔ ہرش۔ چاہم“

سب کی موت میں ہوں۔ قضا ہوں جو کرتی ہے سب کو فنا۔

”او۔ بھوا۔ بھوشیہ تام“

آنے والوں کی میں پیدائش ہوں۔ نئی زندگی کی ہوں میں ابتدا۔

”گا تری۔ چمند۔ سام۔ اہم“

گائے جانے والی شاعری میں میں گا تری کے شعر ہوں۔

”ما سا نام۔ مارگ شیر شو۔ اہم“

مہینوں میں میں ما گھ کا مہینہ ہوں۔ یہ مہینہ سب مہینوں میں افضل سمجھا جاتا ہے۔ اس

میں عقیدت مندی کا صلحہ ملتا ہے۔

”رتو نام۔ کم۔ آکرا“

موسموں میں میں بستہ ہوں۔ میں میتوں میں ہوں منگر، موسموں میں ہوں بمار
”یتھس۔ یتھوی نام۔ اہم“

جاء و جلال والوں کا جلال میں ہوں۔ جلال ان کا جن میں ہے جاء و جلال
”بے او۔ اسی۔ دے و سایو۔ اسی“

میں نفرت پانے والوں کی نفرت ہوں۔ ارادہ کرنے والوں کا ارادہ ہوں۔

ارادہ بھی میں، فتح و نفرت بھی میں

جو صادق ہیں ان کی صداقت بھی میں

”وٹڈو۔ دم تیام۔ اسی“

راجہ کی سزا دینے کی طاقت یعنی قمار اور جبار بھی میں ہوں۔

”یتی۔ اسی۔ جگ۔ اشتام“

چینے کی خواہش کرنے والوں کی حکمت عملی میں ہوں۔

جو حاکم ہیں میں ان کی تعزیز ہوں

جو فاتح ہیں میں ان کی تغیر ہوں

”گیاتم۔ گیان۔ و تمام۔ اہم“

گیتوں کا گیان میں ہوں۔ عارفوں میں معرفت میں ہوں۔

میں رازوں میں ہوں خامشی پرده پوش

میں ہوں گیان ان کا جو ہیں علم کوش

اسی طرح اپنی جلال و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے بھگوان فرماتے ہیں۔

یت یت۔ و بھوقی مت۔ ستوم۔ شرمد۔ اور بخت۔ ایو۔ وا۔

تت تت۔ ایو۔ آو سمجھ۔ تو م۔ مم۔ یتھو۔ انش۔ سنبھوم

ترجمہ: اے ارجمن! دنیا میں جو بھی طاقتوں ہیں، جلال والے ہیں، شان و شوکت
والے ہیں۔ ان سب کو میرے جلال کے ایک عشر عشیر سے پیدا ہوا سمجھ۔
بے الفاظ خواجہ دل محمد۔

نظر آئے قوت کہیں یا جلال

شکوہ و جمل کہ حسن و جمال

سمجھ لے کہ اس میں ہے جلوہ قلن

میرے بکریاں ڈر کی ایک کن

اس باب کے آخر میں یوں فرماتے ہیں:
”اے ارجمن! زیادہ جان کر تم نے کیا لینا ہے۔ اس سارے جہاں کو میں اپنے ایک

جزو سے تخلیق کر کے موجود ہوں۔“

مجلا۔“ کہتا ہوں میں اب چھوڑ کر طول کلام

میرے اک زرے میں ہے اس سارے عالم کا قیام

جلوہ حق

گیارہویں باب کو دید جلوہ حق کہا گیا ہے۔ ارجمن کی درخواست پر بھگوان کرشم اسے اپنا جلوہ دکھاتے ہیں۔ اس جلوے کو ”دش و سروپ“ بھی کہتے ہیں، یعنی وحدت میں کثرت کا جلوہ۔

مامتا گاندھی جی اپنی کتاب ”نا سکتی یوگ“ میں رقطراز ہیں کہ یہ باب معتقدین کو بہت عزیز ہے۔ اس میں دلائل نہیں بلکہ صرف شاعری ہے اور اگر آدمی گھنٹوں تک ان باب کا پائٹھ کرتا رہے پھر بھی نہیں مختا۔

ارجمن بھگوان کرشم سے التماس کرتے ہیں:

”اے بھگوان! آپ خود کو جیسا بیان کرتے ہیں، میں مانتا ہوں اور یہ بھی ہے کہ آپ بالکل ویسے ہی ہیں، لیکن اے بھگوان! اے سب سے افضل، میں آپ کے خدامی روپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“

بہ الفاظ شاعر۔

آپ نے اپنی حقیقت جیسی فرمائی بیان
ویسے ہی ہیں آپ بے شک یہ مجھ پر ہوا عیال
ذات پاک اور قادر مطلق کرم فرمائیے
جلوہ اپنی قدرت کامل کا اب دکھلائیے
گر میں لا سکتا ہوں تاب دید خورشید جمال
تو مجھے دکھلائیے اپنا نظیور جلال

ارجمن کی یہ درخواست سن کر شری بھگوان کرشم گویا ہوئے:

”اے ارجمن! میرے سینکڑوں اور ہزاروں، کئی طرح کے، کئی رنگوں اور شکلوں والے نورانی روپ تو دیکھ۔ اس میرے جسم میں ایک جگہ پر قائم ہوئے متحرک و ساکن سارے

جان کو دیکھے۔ اور بھی جو کچھ تو دیکھنا چاہتا ہے سو دیکھ لے۔“

مجز صاحب کے الفاظ میں۔

ہوش کر اور دیکھ ارجن! میرے جلوے بے درنگ
بے عدد، بے انتہا، نادر، عجائب رنگ رنگ
دینی جو کچھ ہے۔ ساکن اور متحرک نظام
دیکھ مجھ میں ساری موجودات عالم کا قیام
ان اشلوکوں کا ترجمہ خواجہ دل محمد صاحب نے بت عمدہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

کر ارجن نظر، دیکھ میرے سوپ
میرے سینئروں اور ہزاروں ہیں روپ
میری پاک ہستی کے نیرنگ دیکھ
نئے روپ دیکھ اور نئے ڈھنگ دیکھ
تو بھارت کے فرزند! سب دیکھ لے
جو دیکھا نہیں تو نے اب دیکھ لے
جو کچھ چاہے تو دیکھ تن میں میرے
جان سب ہے ارجن! بدن میں میرے
یہیں سارا عالم نہودار دیکھ
تو ساکن بھی دیکھ اور سار دیکھ

اگلے اشلوک میں بھگوان یوں فرماتے ہیں:

نہ۔ تو۔ مام۔ سکھتے۔ در شم۔ این۔ ایو۔ سو۔ پکشوشا۔

دویم۔ دوای۔ تے۔ پکشو۔ پشید۔ مے۔ یو گم۔ ایشورم
ترجمہ: لیکن اے ارجن! ان اپنی بیرونی (ظاہری) آنکھوں سے تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔
اس لئے میں تجھ کو اندر کی آنکھ، چشم پینا عطا کرتا ہوں۔ لاہوتی آنکھ بختی ہوں۔ تو میرے
اس جلال اور قوت کو دیکھ لے۔

چشم ظاہر سے نہیں تو دیکھ سکتا ہے مجھے
اس لئے دیتا ہوں چشم معرفت ارجن تجھے

بے الفاظ خواجہ دل محمد صاحب۔
میری دید گر تجھ کو منظور ہے

تیری آنکھ کا کب یہ مقدور ہے
میں دیتا ہوں تجھ کو خدائی بصر
میرے اس شی یوگ پر کر نظر
صاحبان! بھگوان ظاہر کی آنکھ سے نظر نہیں آ سکتے۔ ان کو دیکھنے کے لئے تو معرفت کی
آنکھ درکار ہے۔

یہی بات کیں اپنہ میں بھی یوں آئی ہے:

یت۔ پکشو شا۔ نہ پشتنی۔ یلین۔ پکشو نشی۔ پشتنی۔

تت۔ ایو۔ برہم۔ قوم۔ ودھی۔ نہ ادم۔ یت۔ اوم۔ اپا سے

ترجمہ: جس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں مگر جس کی بدولت آنکھیں دیکھتی ہیں اس کو تو
پرماتما جان! وہ پرماتما نہیں، جسے تو پرماتما سمجھے بیٹھا ہے اور جس کی تو عبادت گزاری میں لگا
ہوا ہے۔

کچھ اپنہ کا بھی منتر ہے۔

نہ سند رشے۔ سختی۔ روپم۔ ایسرے۔

نہ پکھشو۔ شا۔ پشتنی۔ کشت۔ ایمن۔

ترجمہ: پرماتما کا روپ نظر میں نہیں ٹھہرتا، اور نہ ہی آنکھ سے اسے کوئی دیکھ سکتا ہے۔
صاحبان! اسی خیال کو فارسی کے مشہور شاعر خواجہ حافظ نے یوں ادا کیا ہے۔

دیدن روئے ترا دیدہ جان لے بایہ

دیں کجا مرتبہ چشم جہاں بین من است

مطلوب: اے خدا! تیرے چرے کو دیکھنے کے لئے اندر ورنی، یعنی روحانی آنکھ چاہئے۔
میری جسمانی اور ظاہری آنکھ میں یہ طاقت کماں اور البتہ کماں کہ تیرہ جلوہ دیکھ پائے۔
روحانی آنکھ کے سوا، معرفت کی آنکھ بغیر بھگوان کو دیکھنا ناممکن ہے۔

اسی موضوع پر مولانا روم فرماتے ہیں۔

چشم سر را طاقت دیدن نہ بود

چشم دل را لائق دیدار کرو

مطلوب: بیرونی یا ظاہری آنکھ کو پرماتما کا جلوہ دیکھنے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے دل کی
آنکھ کو ہی دیدار کے قابل بنایا گیا ہے۔

مرعلامہ اقبال کا شعر ہے۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی
یعنی جسمانی آنکھ سے بھگوان کو دیکھنے کی کوئی بھی خواہش نہ کرے، دل کی آنکھ کو
کھولنے سے ہی دیدار الہی ہوتا ہے۔ اس کے بغیر خدا ہمیشہ نظریوں سے او جمل رہے گا۔
حضرت بابا بلجھے شاہ صاحب نے فرمایا۔

جے توں دل دیاں چشمائ کھولیں
ہو اللہ۔ ہو اللہ۔
میں مولا کہہ ماریں چیک
اللہ شہ رگ تھیں نزدیک

یعنی اگر تو اپنے دل کی آنکھیں کھولے اور پھر ورد خدا کرے تو پھر ”میں مولا“ یعنی
انا الحق کا نعرو بگائے گا۔ اللہ تو شہ رگ سے بھی نزدیک ہیں۔ بابا بلجھے شاہ بھی وحدت
الوجودی یا ہمسہ اوتی تھے۔ اس مکتبہ فکر کا کہنا ہے کہ خدا انسان کے اندر ہی ہے صرف
اسے پچاننا درکار ہے۔

گوروناک دیو جی بھی فرماتے ہیں۔

ناک سے ب اکھیاں مین
بنھی دندو ماضی

مطلوب: وہ آنکھیں ہی اور ہیں جن سے پیارا یعنی پربھو نظر آسکتا ہے۔ کبیر بھگت جی
فرماتے ہیں کہ اگر پرہاتما کے درشن چاہتے ہو تو۔
باہر کے پٹ بند کر اندر کے پٹ کھول۔

جلوه حق (2)

الغرض چشم بینا عطا کرنے کے بعد بھگوان نے ارجمن کو اپنا جلوہ دکھایا جس کی تعریف

یوں بیان کی گئی ہے۔۔۔۔۔

آسمان پر اگر ایک ہزار سورج بھی مل کر یک بار چیک اٹھیں، تو بھی ان کی روشنی اس کا
 مقابلہ نہیں کر سکتی۔

فلک پر نکل آئیں سورج ہزار
بے یک وقت مل کر ہوں سب نور بار

تو وہندی سے سمجھو تم اس کی مثال
ما آتا کا تھا اتنا جلال

بھگوان کا نور جلوہ دیکھ کر ارجمن بولا، ”ایے بھگوان! میں دیکھتا ہوں کہ ساری کائنات
اس روپ اندر سمائی ہوئی ہے۔ دیوتا، مہاپنڈت، مرتابض، اہل عقل و دانش سب اس کے
اندر موجود ہیں، یہ روپ ہر طرف سے لا انتہا ہے۔ اس کے بے شمار بازو، بے شمار آنکھیں
اور منہ ہیں۔ چاند اور سورج جیسی اس کی آنکھیں ہیں۔ اس عجیب اور پر جلال روپ کو
دیکھ کر تینوں جہاں حیرت زدہ ہیں۔ بہت سے دیوتا ڈر کے مارے ہاتھ جوڑے کھڑے ہیں،
اور بھگوان کی حمد و شامیں مصروف ہیں۔“

اس وجود پاک میں سب دیوتا ہیں جلوہ گر
اور مخلوقات ہے ہر قسم کی پیش نظر
آپ ہیں بے انتہا شکلوں میں ہر جانب عیاں
بے عدد ہیں آپ کے بازو، شکم، چشم و دہائی
وہ ظہور لائقین آپ کا ہے وقف دید
جس کا اول، درمیان اور خاتمه ہے ناپدید
ذرے ذرے میں منور ہے شعاع لا یہاں
تینوں عالم کا پنچتے ہیں دیکھ کر شان جلال

پھر کما: ”جیسے پانی سے بھری ہوئی ندیاں تیزی سے سمندر کی طرف جاتی ہیں، یا جیسے
پتھروں کے جھنڈ کے جھنڈ جلانے کے لئے بے اختیاری کے ساتھ جلتی ہوئی شمع پر گر کر
جانوارتے ہیں، ویسے ہی دھرت را شتر کے سپوت، ان کی ساری ہ فوج اور بھیشم، درون
آچاریہ، کرن اور ہماری فوج کے بڑے بڑے سورما بھی اس روپ کے منہ میں داخل ہو رہے
ہیں۔ بہت سے شجاع و بہادر اس روپ کے بھیاںک جبڑوں اور دانتوں میں پھنسے ہوئے
ہیں۔ عفنوں کے تو سر بھی کٹے ہوئے ہیں۔“

بـ الفاظ شاعر

بـحر میں ہوتا ہے جیسے ندیوں کا اختتام
یہ دلاور آتشیل دہنوں میں کرتے ہیں قیام
شع پر پروانے ہو جاتے ہیں جیسے جان ثار
موت کے منہ میں داخل حاضرین کارزار

کوروں کے اقباء اور ان کے حامی راجگان
محیثم و درون و کرن، فوج مخالف کے یلاں
نیز اپنی فوج کے زور آزماد یا تو قار
ان دہنوں میں مجھے جاتے ہیں سب بے اختیار
اور نظر آتے ہیں بعضاً سر بہت کچلے ہوئے
تیز دندان کی درازوں میں الگ کئے ہوئے
دل دھرمکتا ہے میرا اے کرشن! اس کو دیکھ کر
ایک عالم کاپتا ہے ڈال کر اس پر نظر

پھر کما: "ماراج! آپ کا یہ روپ اور یہ خوفناک نظارے دیکھ کر میں بہت گھبرا گیا
ہوں۔ میرا دل سخت کانپ رہا ہے۔" پھر پوچھنے لگا، "اے ماراج! ویسے بھیاک اور
خوفناک روپ والے آپ کون ہیں؟ آپ کے نسلوں کا کیا مقصد؟ آپ کو میرا نسکار ہو۔ میں
آپ کے اس پر جلال اور بیعت ناک روپ کی بائیت جانتا چاہتا ہوں۔"
اس پر بھگوان گویا ہوئے:

"اے ارجمن! میں لوگوں کو فاقہ کرنے والی قضا (موت) ہوں۔ اس وقت ان لوگوں کو
مارنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔ سامنے کھڑی ہوئی فوجوں کے جتنے بھی آدمی ہیں، ان میں
سے کوئی بھی نہ بچے گا۔ خواہ وہ لڑائی میں حصہ لے یا نہ لے۔" بقول شاعر۔

میں فرشتہ ہوں اجل کا اور فتا معروف ہوں
اس گھری عالم کے استھصال میں مصروف ہوں
آج ہر دو فوج میں جتنے بہادر ہیں کھڑے
وہ بلا کوشش تیری ملک عدم کو جائیں گے۔

"اس لئے اے ارجمن! تو اٹھ کھڑا ہو اور جنگ کر، اور اپنے دشمنوں پر فتح پا کر راج
اور عزت حاصل کر۔ ان کو تو میں نے پہلے ہی مار رکھا ہے، تو تو محض ایک آله کار ہے۔"

ٹھان کر لڑنے کی اب تو اپنی شرت کو بڑھا
دشمنوں کو زیر کر اور سلطنت کا خڑ اٹھا
ان کو تو میں نے پہلے ہی مرگ تک پہنچا دیا
تو برائے نام کر سامان ان کی موت کا

بہ الفاظ خواجہ دل محمد، بھگوان نے یوں کہا۔

قضا ہوں میں، قضا ہوں میں
کہ درپنے فنا ہوں میں
جهال کی ہست و بود کو
مٹانے آرہا ہوں میں
یہ سور سیر لشکری
جو قتل رہے ہیں جنگ پر
تو ہونہ ہو یہ سب کے سب
ہلاک کر چکا ہوں میں
تو ارجمن اٹھ، ہو نیک نام
دشمنوں کو گھیر کر
بزور چھین تاج و تخت
ان کو اپنا زیر کر
یہ مر چکے، یہ مر چکے
فنا میں ان کو کر چکا
تو پانڈوؤں کے لال اٹھ
ویسے بن، نہ دیر کر

پیارے دوستو! ارجمن بھگوان کرشن کا بست پیارا بھگت ہے۔ بھگوان اس کی مد کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ تقاضا کرتے ہیں کہ لڑتا اسے خود ہی پڑے گا۔ یعنی کہتے ہیں کہ اے ارجمن! جب تک تو خود نہ لڑے گا، میں تمہاری مدد نہیں کروں گا۔ جیت بہر حال تمہاری ہے لیکن اس کے لئے اٹھو اور لڑو۔ لڑے بغیر تجھے جیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان اگر خود کوشش نہ کرے، اپنے مقصد کی کامیابی کا انحصار محض اس بات پر رکھے کہ وہ بھگوان کا بھگت ہے، اس لئے بھگوان اس کی خواہش کو پورا کر دیں گے۔ یہ اصول سراسر غلط ہے۔ بھگوان کو بھی وہی بھگت پسند ہوتا ہے، جو جدوجہد کرے۔ بھگوان کو میدان جنگ میں لڑنے والا بھگت پیارا ہے۔ نہ کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھا رہنے والا۔

جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں بھگوان بھی ان کا مددگار نہتا ہے۔
بقول مولانا فارومی صاحب۔

جد شرط کار آمد اے عزیز
جد می کن جد اگرداری تمیز
مطلوب: اے عزیز! کامیابی کے لئے کوشش کرنا شرط ہے۔ اگر تم میں کچھ بھی سمجھ اور
نمہ ہے تو کوشش کرو، کوشش کرنے سے ہی کامیابی قدم چوئے گی۔ بنا کوشش
نہیں۔

پھر آگے جمل کر کتے ہیں۔

بے مسامی کس نہ منزل طے نمود
برسر را ہے نشت است چہ سود
رو قدم برگیر و قطع راہ کن
بعد ازاں منزل مقصہ شاہ کن
مطلوب: کوشش کے بغیر آج تک کسی کو بھی منزل حاصل نہیں ہو سکی۔ تو جو راستہ
کے کنارے بیٹھا ہوا ہے، اس سے کیا فائدہ ہو گا۔ چل، قدم اٹھا اور راستہ عبور کر اور راستہ
ٹھیک کرنے کے بعد بادشاہ کے محل میں قیام پذیر ہو۔ یعنی پرماتما کا دیدار حاصل کر، جس
میں طہانتیت ہی طہانتیت ہے۔

الحضرتیہ کہ اگر آدمی کوشش کرے تو وہ ضرور اپنے مقصد کو پا لیتا ہے۔ کوشش کے بغیر
ہرگز کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ چاہے دنیا میں کامیابی ہو، چاہے روحانیت میں، دونوں
صورتوں میں کوشش کرنا لازمی ہے۔ یہ دونوں چیزوں کوشش کرنے والوں کا ہی مقدار ہیں۔
سر علامہ اقبال بھی فرماتے ہیں۔

زندگی جد است و استحقاق نیست

یعنی زندگی جد و جد کا نام ہے۔ حق رکھنے کا نام نہیں۔ حقوق بھی اسی کو ملتے ہیں جو
کوشش کرتا ہے۔ کوشش نہ کرنے والوں کے بنے بناۓ حقوق بھی چھن جایا کرتے ہیں۔
مطلوب: یہ کہ اگر کوئی آدمی زبانی طور پر کہہ دے کہ فلاں چیز پر میرا حق ہے اس لئے
مجھے ملنی چاہئے تو اس کا یہ دعویٰ فضول اور بے معنی ہے۔ اسے چاہئے کہ جد و جد کر کے
اپنے آپ کو صحیح معنوں میں اس شے کا مستحق بنائے۔ اپنی ہمت سے اپنے حقوق کی حفاظت
کرے۔

اگریزی کا محاورہ بھی ہے کہ:

"God help those, who help them selves."

جلوہ حق (3)

آگے چل کر بھگوان فرماتے ہیں، "اے ارجن! میرے جس روپ کو تو نے دیکھا ہے، اس کا درشن ملنا نہایت ہی کٹھن ہے۔ دیوتا بھی اس روپ کو دیکھنے کے لئے ہمیشہ ترستے رہتے ہیں۔ میں نے اپنی رحمت سے اپنی بخشش سے تم کو یہ درشن کرا دیئے ہیں۔ یہ تم پر میری خاص عنایت ہے، خاص کرم ہے۔"

پھر فرماتے ہیں: "اے ارجن! جس طرح تو نے میرے درشن کئے ہیں، ایسے درشن نہایت مشکل سے نصیب ہوتے ہیں۔ یہ ویدوں کے منظر پڑھنا اور ریاضت، دان اور بھیتیں چڑھانا انسان پر فرض ہے، اور ان فرانش کو ضرور سر انجام دنا چاہئے۔ یہ چیزیں من کو صاف کرنے میں بڑی امداد دیتی ہیں۔ ویدوں کے پانچ سے ریاضت سے، دان دینے سے بھینٹ کرنے سے من کی پاکیزگی تو حاصل ہو جاتی ہے، مگر پہاڑتا کے دیدار نصیب نہیں ہوتے۔ کٹھن ضبط نفس کرنے سے ہی دیدار الٰہی ملتا ہے۔"

جیسا کہ بھگوان اگلے اشلوک میں فرماتے ہیں:

حکیم۔ تو۔ ان یا۔ نکیم۔ اہم۔ ایوم۔ ودھو۔ ارجن۔
گیاتم۔ درشم۔ چہ۔ سوئن۔ پو۔ ششم۔ چہ۔ پن تپ

ترجمہ: تمہ دل سے میری بھگتی کرنے سے میرا حقیقی روپ جانا جا سکتا ہے۔ دیکھا جا سکتا ہے اور مجھ میں جدب ہوا جا سکتا ہے۔

جو تمہ دل سے، لگن سے، یکسو ہو کر میری بھگتی کرے گا، مجھ میں دھیان لگائے گا، میرے ساتھ اپنی روح کا تعلق قائم کرے گا، اسے میرے درشن نصیب ہوں گے۔
بھگوان بولے۔

مجھے تو نے دیکھا ہے جس طور سے
یہی طور ممکن نہیں اور سے
نہ دیدار تپ سے، نہ یگ سے ملے
نہ دان اور نہ ویدوں کے جپ سے ملے

اگر میری بھگتی میں ایک سو رہے
میرا گیان ہو اور مجھے دلکھ لے
حقیقت کا عرفان بھی حاصل ہو پھر
میری ذات عالی میں واصل ہو پھر
فیضی صاحب نے اس اشلوک کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

من محو کن خویش را آچناں
کہ دیگر نہ ینی تو خود را میاں
یعنی اپنے آپ کو مجھ میں اس طرح محو ہو کہ تو خود کو مجھ سے علیحدہ نہ دلکھ سکے۔
فارسی میں ایک اور شعر ہے۔

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم تو جان شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

مطلوب: شاعر خدا سے کہتا ہے کہ میں تیری عبادت میں ایسا محو ہو جاؤں کہ تو مجھ میں
ما جائے اور میں تجھ میں سما جاؤں۔ میں جسم بنوں تو تو اس کے اندر روح بن جائے آکہ
کوئی بھی یہ نہ کہہ سکے کہ میں اور ہوں اور تو اور ہے۔ یعنی میں اور تو ایک ہو جائیں۔
سوائی تیرتھ رام جی بھی اسی موضوع پر فرماتے ہیں۔

مجھ میں سما جا اس طرح
تن پران کا جو طور ہے
جس سے نہ کوئی کہہ سکے
میں اور ہوں تو اور ہے

جس طرح تن میں سانس (پران) ہیں، اسی طرح اے بھگوان! میں تجھ میں سما جاؤ۔
مولانا روم نے اس خیال کو یوں بیان کیا۔

از خودی سکندر تیابی خدا
فانی حق شوکہ تیابی بقا
ترجمہ: خودی کو چھوڑ دے۔ یعنی اپنی ذات کو بھلا دے آکہ تو خدا کو پائے۔ ذات حق
میں فنا ہو جا کہ بقا حاصل ہو۔

مشور عارف نہ تہذیب کا شعر ہے۔

دوئی راچوں بدر کر دم دو عالم رائیکے دیدم
یکے نینم، یکے جویم، یکے خوانم، یکے داغم
ترجمہ: جب میں نے دوئی اور غیرت کو مٹا دیا۔ تو دونوں جہانوں میں اسی کو یعنی پرماتما
کو دیکھا۔ اسی ایک کو ہی ڈھونڈنا، اسی کو ہی دیکھا اور بچانا۔
کبیر بھگت جی کا شعر ہے۔

پریم گلی اتی سانگڑی
اس میں دو نہ سا ہیں
میں ہوں تو پر بھو نہیں
پر بھو ہے تو میں نہیں

یعنی پریم (شوq) کی گلی بہت سچ ہے، اس میں دو نہیں سا سکتے۔ میں ہوں تو پرماتما
نہیں، اور اگر پرماتما ہے تو پھر میں نہیں۔ پریم کے کچھ میں صرف ایک کی جگہ ہے، دو کی
نہیں۔

مطلوب: یہ کہ جب تک "میں ہوں" ہے، جب تک خودی ہے، یعنی اپنی ذات کا
احساس ہے، اتنا ہے، تب تک پرماتما نہیں ملتا۔ جب خودی کا جذبہ اور احساس ذات اور اتنا
ختم ہو جائے تو پھر یوں سمجھئے کہ وہ پرماتما کی آنکھ میں ہے۔
اسی لئے تو بھگوان کرشن جی ارجمن سے فرماتے ہیں کہ اے ارجمن! خودی کو مٹا کر
میری بھگتی کر اور مجھ میں سا جا۔

جو میرا طالب قتا ہوتا ہے، مجھ میں عشق سے
جس کی یکساں ہے نظر سب پر، وہ پاتا ہے مجھے
چنانچہ اس باب کے اختتام میں فرماتے ہیں:

زدیرا۔ سرو۔ بھو۔ تیشو۔ یا۔ سا۔ مام۔ ایتی۔ پانڈو۔

ترجمہ: اے ارجمن! جو آدمی میرے لئے ہی اعمال کرتا ہے، میری بھگتی حاصل کرتا
ہے۔ جو دنیاوی تعلقات سے آزاد ہے، جو کسی کے ساتھ بھی دشمنی نہیں کرتا، ایسا آدمی مجھے
ضرور پالیتا ہے۔

میرا بھگت ہر کام میرا کرے
تعلیم کسی سے نہ نفرت اے

مجھی کو مجھے لے وہ اپنا کمال

تو ارجمن! وہ پا جائے مجھ سے وصال

تلک جی مہاراج اپنی کتاب "گیتا رسیہ" میں رقطراز ہیں کہ اس ایک اشلوک میں ہی ساری گیتا کا خلاصہ آیا ہے۔ اس سے صاف عیان ہے کہ گیتا کی تعلیم یہ نہیں کہ ان ان دنیا کو چھوڑ کر اور بیکار بینجھ کر آرام سے رام رام کا ورد کرتا رہے، بلکہ گیتا کی تعلیم تو یہ ہے کہ بھگتی اور عبادت کے ساتھ ساتھ سرگرمی سے تمام کاروبار زندگی انجام دے۔ مگر کسی قسم کے صلے کی امید رکھے بغیر۔

بھگتی اور عمل کو ایک ساتھ بھانے والا آدمی ہی مکمل ہوتا ہے۔ صرف نہد و عبادت کرنے والا تو ادھورا ہے۔ حضرت اقبال باہونے بھی کہا ہے کہ —

جے رب نہایاں دھوتیاں ملدا ڈڈوواں مجھیاں ہو

جے راب راتیں جاگیاں ملدا کال کٹچھیاں ہو

جے رب لمیاں والا ملدا مسیاں سیاں ہو

جے رب جتیاں سیاں ملدا ڈانڈاں خسیاں ہو

اینہاں گلاں رب حاصل نہیں، رب ملدا دلیاں پتھیاں ہو

یعنی اگر رب نہانے اور صاف تھرا رہنے سے ملتا تو مینڈ کوں اور مچھلیوں کو مل جاتا۔ اگر رب راتوں کو جاگ کر عبادتیں اور ریاضت کرنے سے ملتا تو چگادریوں وغیروں کو مل جاتا۔ اگر رب بال بیدھا لینے سے مل جاتا تو بھیڑیں چرانے والوں کو مل جاتا۔ اگر رب جتی سی رہنے (عورت کے پاس نہ جانے) سے ملتا تو خصی بیلوں کو ملتا۔ پس، ان سب باتوں سے رب حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ تو صرف اچھے دل والوں کو ملتا ہے۔

بلیں شاہ نے بھی کہتے کو مثل بنا کر کہا ہے کہ وہ روکھی سوکھی کھا کر مالک کا وفادار رہتا ہے اور تو ساری رات جاگ کر عبادت کرتا ہے، پھر بھی کتنا تجھ سے بہتر ہے۔

راتیں جائیں کریں عبادت، راتیں جائیں کہتے

تیتحوں اتے

بھگتی حاصل کرنے کی ریاضت

بارہویں باب کو بھگتی یوگ کہتے ہیں۔ اس میں بھگت کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں اور بھگوان کو پالینے کے طریقے درج ہیں۔

بھگوان فرماتے ہیں کہ جو آدمی مجھ میں من لگا کر لکھتاً میری بھگتی کرتے ہیں اور مجھ میں مکمل عقیدت رکھتے ہیں، وہ ہمیشہ مجھ میں رہتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں، "اے ارجن! تو سارے اعمال کو میری نذر کر دے اور سدا میرا دھیان کر اور مجھے ریاضت اور تزکیہ نفس کے ذریعے حاصل کر لے۔ اگر تو مسلسل دھیان اور ریاضت نہیں کر سکتا تو علم کے ذریعہ مجھے حاصل کر۔"

چنانچہ فرماتے ہیں:

مئی۔ ایو۔ من۔ آدھتو۔ مئی۔ بدھم۔ نو۔ شی۔ سش۔ اسی۔ مئی۔ ایو۔ ات۔
اور دھوم۔ نہ۔ شی۔

ترجمہ: اے ارجن! اپنی سچوں، ذہن اور عقل کو مجھ میں مرکوز کر۔ ایسا کرنے سے تو مجھ میں قیام کرے گا۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

آگے فرماتے ہیں، کہ اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو تزکیہ نفس کے ذریعہ مجھے پانے کی کوشش کر۔ اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو سارے کرم میری خاطر کر اور ان کے صلے کی خواہش چھوڑ دے۔ اپنے اعمال و افعال میں بے لوث ہو جا اور میری پناہ لے۔ ایسا کرنے سے تو مجھ کو پا جائے گا۔

بہ الفاظ مجذز صاحب۔

میرے طالب اپنے سارے کام مجھ پر چھوڑ کر

جان و ایماں کو فدا کرتے ہیں شوق وصل پر

جن کو میرا عشق صادق ہے، انہیں اے نادر

جلد بحر عالم سے میں کرتا ہوں پار

عقل و دل، دونوں کو تو میرے تصور میں لگا
راز کھل جائے گا، تجھ پر منزل مقصود کا
بھگوان فرماتے ہیں کہ ترکیہ نفس کے بالمقابل معرفت برتر ہے۔ معرفت کا درجہ ترکیہ
نفس ہے اور پر ہے اور معرفت و مراقبہ سے بے لوث عمل کرنا افضل ہے کیونکہ اعمال کے
پھل کی فکر چھوڑ دینے سے فوراً شانست حاصل ہو جاتی ہے۔ جو کہ زندگی کا انتہائی مقصد ہے۔
بہ الفاظ خواجہ دل محمد

کہ افضل ہے ابھیاس کرنے سے گیان
مگر گیان سے بڑھ کے ہوتا ہے دھیان
ہے ترک شر دھیان سے بھی فزوں
کہ ترک شر سے ہو فوراً سکون

بھگت کے اوصاف

آگے چل کر بھگوان اپنے بھگتوں کی خوبیاں بیان کرتے ہیں۔
فرماتے ہیں کہ جو آدمی سب جانداروں سے پریم کرتا ہے، سب کا متر (دوست) ہے، مخیر
ہے، رحمدل ہے، متا اور حرص سے پاک ہے، دکھ سکھ میں کیساں رہتا ہے، دوسروں کی
خطاؤں کو درگزر کرنے والا ہے، جو ہیشہ اپنا من اور سوچیں مجھ میں لگائے رکھتا ہے، اے
ارجن! ایسا بھگت ہی مجھے پیارا ہے۔
پھر فرماتے ہیں کہ جو آدمی کسی سے نہیں ڈرتا اور نہ خود کسی کو ڈرتاتا ہے، جو غمی و
خوشی سے بالاتر ہے، جو ہیشہ خدا کے بھروسہ پر رہتا ہے، اندر اور باہر سے پاک صاف ہے،
جس نے سب اعمال بد کو ترک کر دیا ہے، اے ارجن! ایسا بھگت مجھے عزیز ہے۔

اس کے بعد بھگوان فرماتے ہیں: اے ارجن!
یو۔ نہ۔ ہر شستی۔ نہ۔ دو۔ پشتی۔ نہ۔ شوچنی۔ نہ۔ کمکھیتی۔
شہ۔ اشہ۔ پرتیاگی۔ بھکتی مان۔ یا۔ سا۔ مے۔ پیا۔
ترجمہ: جو نہ خوش ہوتا ہے، نہ غم کرتا ہے، نہ اسے کوئی فکر لاحق ہوتی ہے، اور نہ

کوئی خواہش رکتا ہے، ایسا بھگت مجھے پیارا ہے۔
ان خوبیوں کو میر صاحب نے نظم میں یوں بیان کیا ہے۔

خوف و طیش و رنج سے بربی ہے میرا یار
اس کا ملک صلح کل ہے، وہ ہے سب کا دوستدار
جو بربی ہے شوق و نفرت، یہم و امید سے
وہ دوئی سے پاک ہے، اس سے محبت ہے مجھے
جس کی نظروں میں ہے یکساں دوستی اور دشمنی
گرم و سرد و شادی و غم، حرمت و بے حرمتی
با توکل، بے تعلق، بہجو اور تعریف سے
صابر و آزادہ رو انسان پیارا ہے مجھے
آب حیوان میری اس تقریر کا جس نے پیا
وہ کمال عشق سے محبوب کامل بن گیا
خواجہ دل محمد صاحب نے ان انشلوں کا یوں ترجمہ کیا ہے۔

وہ انساں جو سکھ دکھ میں ہموار ہے
جو ہر اک کا ہمدرد و غنوار ہے
کسی کا نہ بیری ہو، بخشش قصور
خودی سے بھی دور اور تعلق سے دور
وہ یوگی ہے خود پہ ہے اختیار
جو صابر ہے اور عزم میں استوار
دل و عقل جو مجھ پر قربان کرے
وہی ہے میرا بھگت پیارا مجھے
جو دنیا کو آزار دیتا نہیں
جو دنیا سے آزار لیتا نہیں
ہو گری کہ سردی ہے ایک سی
لگن ہو کسی سے نہ جس کی لگی
سموں کے نویں گرو شری گورو تنقیبدار بھگت کی خوبیوں کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

دکھ، سکھ، جیس پر سے ناہیں
 لوٹھ، مودہ، ابھیان
 کوئی ناک سن رے منا
 سو بھگوان
 ہر کھ سوگ جا کے ناہیں
 ویری میت سماں
 کوئی ناک سن رے منا
 سکت تاہیں تے جان

یعنی جو شخص دکھ کا احساس نہیں کرتا، اور جس کا دل لالج، غور اور الفت دنیا سے پاک اور عاری ہے، وہ آدمی بھگوان کا روپ ہے اور جس آدمی کی نظر میں خوشی، غم اور دشمنی کیساں حیثیت رکھتے ہیں، وہ زندگی میں ہی نجات حاصل کر چکا ہے۔

اس باب کے آخر میں بھگوان فرماتے ہیں:
 تیڈا۔ نندا۔ ستی۔ مومن۔ سنتھ۔ سین۔ کین۔ چوت۔
 ان۔ کیتا۔ تحرمتی۔ بھگتی مان۔ سے۔ پریو۔ نزا

ترجمہ: جس آدمی کے لئے تعریف اور شکوہ و شکایت کیساں ہیں، یعنی جو ہر دم چلتا تو دھرم کے مطابق ہے، اس پر اگر لوگ شکایت یا تعریف کرتے ہیں تو وہ ان دونوں باتوں سے بے پروا ہے۔ جس آدمی نے زبان پر قابو پالیا ہے، سوچ سمجھ کر منہ کھولتا ہے، جو ہمیشہ صابر و شاکر رہتا ہے، جس کی عقل ایک مرکز پر ٹھہر گئی ہے، یعنی دکھ سے دکھی نہیں ہوتی۔ اور سکھ یا خوشی پاکر پھولتی نہیں، تو اے ارجمن! ایسا بھگت تو مجھے بہت ہی پیارا ہے۔

ب الفاظ شاعر۔

برابر ہوں جس کے لئے مدح و ذم
 وہ کم گو، نہ جکو غم بیش و کم
 قوی مل کا، آزاد گھر بار سے
 وہی ہے میرا بھگت پیارا مجھے
 جو کرتے ہیں قائم یہ امرت سا دھرم
 یقین سے جو رکھتے ہیں سینوں کو گرم

جو مقصود اعلیٰ سمجھ لیں مجھے
وہی بھگت ہیں سب سے پیارے مجھے

بھگتی یوگ نامی پارہواں باب یہاں ختم ہوتا ہے۔

حاضر و ناظر لیکن غائب

گیتا کے تیرھوں باب میں جسم و روح کا بھید بتایا گیا ہے۔ جو آدمی اس بھید کو بخوبی جان اور سمجھ لیتا ہے، تو سمجھو کہ اس نے پرماٹا کو بھی جان لیا۔ وہ نجات حاصل کر لیتا ہے۔ یعنی زندگی میں ہی کمکتی پا لیتا ہے۔

جسم کا بیان کرتے ہوئے بھگلوان فرماتے ہیں کہ مٹی، پانی، آگ، ہوا اور آکاٹ، ان پانچ عناصر سے مل کر یہ (ستھول) کثیف جسم بنا ہے، جو کہ ہمیں آنکھوں سے نظر آ رہا ہے۔ اس کے علاوہ ایک جسم لطیف ہے جو حواسِ خشہ، نفس اور عقل سے مل کر بنا ہوا ہے۔ جتنے بھی جسم دکھائی ہمیں دکھائی دے رہے ہیں وہ سب ان ہی چیزوں پر مشتمل ہیں۔

بِ الْفَاظِ خُواجہ دلِ محمد۔

عناصر، اہنگار، عقل، محیط

یہ دل، دس حواس، اور یہ فطرت بسیط

یہ آواز، لس، ذاتِ رنگ، باس

کریں جن کو محسوس پانچوں حواس

یہ دکھ سکھ بھی، نفرت بھی، ترغیب بھی

خود، پاسیداری بھی، ترکیب بھی

یہ ہیں کھیت اور ان کی تبدیلیاں

انہی کا ہے یہ مختصر سا بیان

اس کے بعد بھگلوان قابل اور اک حقیقت یعنی پرماٹا کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بہر۔ انجو۔ بھوتا نام۔ اچم۔ چم۔ ایو۔ چ۔

سو کشم۔ تو ات۔ ت۔ او گم۔ دور۔ سکم۔ چ۔ انتکھے چ۔ ت۔

ترجمہ: اے ارجمن! وہ پرماٹا سب جانداروں کے اندر بھی ہے اور باہر بھی۔ وہ حرکت بھی کرتا ہے اور قائم بھی ہے۔ سو کشم یعنی لطیف ہونے کی وجہ سے وہ سمجھ میں نہیں

آسکتا۔ وہ دور بھی ہے اور نزدیک بھی۔ حاضر بھی ہے اور غائب بھی۔

اسی طرح انہیں اپنڈ کا ایک منتر ہے، جس کا مطلب کچھ یوں ہے کہ:

”وہ پر ماتما حرکت کرتا ہے، اور نہیں بھی کرتا۔ وہ دور بھی ہے اور نزدیک بھی۔ وہ سب کے اندر بھی ہے اور باہر بھی۔“

فیضی صاحب کے اس موضوع کو یوں بھایا ہے۔

قریب از قریب و بید از بید

باچشم دل اور اباید باید

ترجمہ: پر ماتما نزدیک سے بھی نزدیک اور دور سے بھی دور ہے۔ یعنی ہر جگہ محیط ہے۔ اسے دل کی آنکھ سے ہی دیکھنا چاہئے۔

سوامی تیرتھ رام جی نے اسے یوں موضوع بخوبی بیان کیا۔

ہم چل ہیں، ہم چل ناہیں، ہم نیڑے ہم دور

ہم ہی سب کے اندر چان، ہم ہی باہر نور

مجھ صاحب ان اشلوکوں کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

ہر طرف گوش و سرو چشم و دہان و دست و پا

ہیں اسی کے، اور وہ ہے شش، جت سے رونما

جلوہ گر احساس میں ہے، خود مبرا از حواس

باہمہ و بے ہمہ، با وصف، بیرون از قیاس

ساکن و متحرک و مخفی و ظاہر ہے وہ نور

گو لطافت سے نظر آتا نہیں نزدیک و دور

وہ یگانہ ہے، مگر عالم میں ہے کثرت نما

اس کے رخ کا پرتو ہے، بودوایجاد و فنا

خواجہ دل محمد کے الفاظ میں۔

اس کے ہیں سب دست و پا چار سو

اسی کا ہے رخ رونما چار سو

اسی کی نظر، کان، سر، ہر طرف

محیط جہاں سر بہ سر ہر طرف

کسی شے میں جنبش، کسی میں سکون

وہ موجود و سب میں دروں اور بروں
آگے چل کر بھگوان کرشن ارجمن سے یوں گویا ہوئے:
جیوتی شام۔ اپی۔ تھ۔ جیوتی۔ تما۔ پرم۔ اچھی۔
گیانم۔ گے۔ یہ۔ گیان۔ کس۔ ہر دے۔ سرو یہ۔ و سختم

ترجمہ: اے ارجمن! وہ پرماتما میں نور ہے، وہ روشنیوں کی بھی روشنی ہے۔ وہ جہالت
سے ماورا ہے۔ وہ مجسم گیان اور قابل ادراک ہے۔ علم سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے، وہ بھی
پرماتما ہے۔ پرماتما سب کے من میں باہوا ہے۔۔۔

وہی ذات نور علی نور ہے
جو تاریکیوں سے بہت دور ہے
وہ عرفان کا حاصل بھی، مقصود بھی
وہ عرفان بھی، ہر دل میں موجود بھی
حضرت مبارکہ فرید گنج شکر نے بھی کیا خوب فرمایا۔

فریدا جنگل جنگل کیا بھویں، ون کنڈا موڑیں
وی رب بیا لئے، جنگل کیا ڈھونڈیں

مطلوب: اے فرید، تو جنگل کیا بھٹک رہا ہے، رب تو دل میں بتا ہے، جنگلوں میں
ڈھونڈنے سے کیا ہو گا؟

اسی موضوع پر فارسی کا ایک مشہور شعر ہے۔

آنچھے ما کر دیم برخود یعنی نایبا نہ کرو
درمیان خانہ، گم کردیم صاحب خانہ را

ترجمہ: جو کچھ ہم نے اپنے ساتھ کیا ہے، کوئی انداھا بھی اپنے ساتھ دیسا سلوک نہیں
کرے گا۔ ہر گھر کے اندر ہی گھر کے مالک کو گم کئے بیٹھے ہیں۔ ہم تو انہوں سے بھی گئے
گزرسے ہیں کہ گھر میں رہتے ہوئے مالک کو بھی نہیں پہچان اور دیکھ سکتے۔
سکھ منی صاحب میں آیا ہے۔

سو اتر سو باہر انت
گھٹ گھٹ بیاپ رہیا بھگونت

مطلوب: پرماتما سب کے اندر اور باہر ہے۔ وہ لا انتا ہے اور ہر جاندار کے دل میں سا
رہا ہے۔ پھر آگے چل کر کہا گیا ہے کہ سب نوروں میں اس کا نور جلوہ گر ہے۔ سب

جانداروں کی زندگیوں کا سرچشمہ وہی ہے۔ وہ سب کا مالک و آقا ہے اور ہر چیز اسی کے دم سے ہے۔

سر علامہ اقبال کا شعر ہے۔

از من بروں نیست منزل گھر من

من بے نصیر را ہے نیا یم

یعنی میری منزل مقصود مجھ سے باہر نہیں ہے۔ مگر میں پر نصیر ہوں کہ راستہ نہیں ڈھونڈ پاتا۔ مشور ملامتی شاعر اور صوفی حضرت بابا بلجھے شاہ فرماتے ہیں۔

دل تیرے وج یار پیارا

توں کیسہ بھالیں عالم سارا

جا بارس تکے تیک

اللہ شہ رگ تھیں نزدیک

ترجمہ: بھگوان تو تمہارے دل میں بیٹھا ہوا ہے، باہر کیوں دھکے کھاتے پھر رہے ہو۔

اسے بارس یا کے میں ڈھونڈنے کی بجائے اپنے اندر ہی تلاش کرو۔ وہ مل جائے گا۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

باستھے دنیا وج اندر ہریا ہے

امسہ تلکن بازی ویڑا ہے

وڑ اندر دیکھو کیڑا ہے

باہر خلت پی ڈھوڈھیندی ہے

ترجمہ: باہر دنیا میں اندر ہریا ہی اندر ہریا ہے۔ یہ دنیا انسان کو بھٹکانے اور ورغلانے والی جگہ ہے۔ اپنے اندر نظر ڈال کر دیکھو کہ وہاں کون جلوہ گر ہے۔ کیوں بھگوان کی بے فائدہ تلاش باہر کر رہے ہو۔ اسے اپنے دل میں تلاش کرو۔

مولانا روم بھی فرماتے ہیں۔

جب تو کن جب تو کن، جب تو

در دروں ات میں کہ بیرون نیست او

یعنی خدا کو تلاش کر، پھر تلاش کر۔ اپنے اندر ہی اسے دیکھ کیوں نکلہ وہ باہر نہیں اندر ہی ہے۔ آخر کار تلاش کرتے کرتے تو اسے پالے گا۔

اس باب کے آخر میں بھگوان فرماتے ہیں کہ اے ارجمن! جیسے ایک سورج ساری دنیا

کو روشنی دے رہا ہے، ویسے ہی پر ماتما سارے جانداروں کے اندر نور ڈال رہا ہے اور جو آدمی جسم اور روح کے بھید کو جان لیتا ہے، اسے بھگوان حاصل ہوتے ہیں، نجات ملتی ہے۔

بے الفاظ مجر صاحب ولسوئی۔

ایک سورج ڈالتا ہے جیسے سب پر روشنی
جان واحد ڈالتی ہے سب کے اندر روشنی
دیکھ لیتا ہے جو چشم دل سے جسم و جاں کا حال
معرفت کی راہ سے پاتا ہے وہ اونچ کمال

تین فطری صفات

گیتا کے اس چودھویں باب میں فطرت کی تین صفات کا ذکر ہے، جن کو "ستوگن"، "رجوگن" اور "تموگن" کہتے ہیں۔ جو آدمی ان تینوں خاصیات سے میرا ہو جاتا ہے، اس کی خوبیاں ہی اس باب کا موضوع ہیں۔

بھگوان فرماتے ہیں کہ، "اے ارجمن! فطرت سے پیدا شدہ تین گن (خصوصیات) یعنی ستوگن، رجوگن، تموگن غیر凡ی آہنا کو جسم میں باندھے رکھتے ہیں۔ ان میں سے ستوگن روح کو گیان اور معرفت کی جانب مائل کرتا ہے۔ رجوگن، دنیاوی آسائشات اور آرام کا دلدارہ بنتا ہے اور تموگن، آدمی میں نیز، بیکاری اور سستی پیدا کرتا ہے۔ اور ان میں روح کو لپیٹ لیتا ہے۔"

آگے فرماتے ہیں:

سرود۔ دواریشو۔ دینہ۔ اسکن۔ پرکاش۔ اپ۔ جانی۔

گیانم۔ بدرا۔ تدا۔ دویات۔ ووردهم۔ ستوم۔ الی۔ ات

ترجمہ: اے ارجمن! جب آدمی گیان اور معرفت کی جانب راغب ہوا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ اس میں ستوگن ترقی پر ہے۔

بو بھا۔ پرورتی۔ آر سمجھا۔ کرمزمام۔ اٹھا۔ سپریہما۔ رحس۔ ایتاتی۔ جایتنے۔ ووردہ۔

بھرت ارشب۔

ترجمہ: جب حرص اور بے کلی اور من کا چچپل پن اور دنیاوی آسائش کا لالج ہو، یعنی دل دنیاوی لذات میں خوش و خرم اور بے نکر ہو اور حرص و ہوا کا زور ہو۔ تب سمجھ لو کر اس آدمی میں رجوگن ترقی پر ہے۔

اپر کا شو۔ اپرورتی۔ پرمادو۔ مودہ۔ ایلو۔ چا۔

تمس۔ ایتاتی۔ جانست۔ دوردھے کو نہن

ترجمہ: جب آدمی میں سستی، آلس، نیز اور جمالت زوروں پر ہوں تو اس کا مطلب

ہے کہ اس آدمی میں تموگن نمود پذیر ہے۔
مجز صاحب نے کچھ یوں کہا ہے۔

شرtron کے سارے دروازوں پر جب ہو روشنی
تو سمجھنی چاہئے اس میں حکومت گیان کی
آرزو، تدبیر، کوشش، بے قراری اور امنگ
شوq کے جذبے میں دخلاتی ہیں، اپنا راگ و رنگ
کاہلی، بے وقوفی، حرست و دیوانگی
جل کی شدت سے پیدائش ہے ان جذبات کی

بھگوان آجے ارشاد فرماتے ہیں:
اور دھرم پختتی۔ ستو تھا۔ مدھیر۔ شختتی۔ راجسا۔
بھگن۔ گن۔ ور تھا۔ ادھوگ۔ پختتی۔ تاما۔

ترجمہ: اے ارجمن! ستونگی آدمی مرکراوچے طبقات میں جاتے ہیں۔ رجوگن والے مر
کر درمیانے طبقے اور تموگن والے نچلے درجے کو پاتے ہیں۔ یعنی مرنے کے بعد ذلت کا جنم
لیتے ہیں۔

فیضی صاحب نے اس شلوک کو یوں ترجمہ کیا۔

بود میل اول ب طرف علا
میانہ بود مح حرص و ہوا
تموگن ب تحت اثرائے مے برو
ب میں از کجا تا کجا مے برو

مطلوب: ستونگی آدمی روحانی ترقی کی خواہش رکھتا ہے۔ رجوگنی آدمی دنیاوی حرص و ہوا
اور عیش و عشرت میں ڈوبتا ہے اور تموگن آدمی تحت اثرائے یعنی پاتال (گہرائیوں) کو
جاتا ہے۔

مجز صاحب کے الفاظ میں۔

علم کا میہہ ہے، دانش، شوق کا حرص و ہوا
تیرگی، مستی و غفلت ہیں ضمیر جمل کا
منزل عفاف ہے بالا، جائے طامع درمیان
جمل و بدکاری کے درجے میں ہے ذلت اور زیان

بے الفاظ خواجہ دل محمد۔

ستوگن سے جائیں سوئے آسمان
رجوگن سے لکھے رہے درمیاں
تموگن کا گن ہے جو سب سے رذیل
یہ پتی میں ڈالے، یہ کر دے ذیل
مرشی کپل دیوبھی مهاراج سا کمیب شاہزاد میں یوں کہتے ہیں۔
اور دھوم۔ ستو۔ وشا۔ تمو۔ وشا۔ مولتا۔ مر جھے۔ رجو۔ وشا۔

ترجمہ: ستوگن انسان مرنے کے بعد بالائی درجات یعنی سورگ پاتے ہیں۔ تموگن
والے مرنے کے بعد ذلت کا جنم لیتے ہیں یعنی پرندوں، حیوانوں اور کیڑوں مکوڑوں کی
صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ رجوگن والے درمیانہ درج پاتے ہیں، یعنی دوبارہ انسان کی
صورت میں ہی دنیا میں آتے ہیں۔

آگے چل کر بھگوان یوں گویا ہوئے:

”اے ارجمن! جو آدمی ان تین گنوں کو عبور کر جاتا ہے، ان سے بالاتر ہو جاتا ہے، ان
کے منقی اور مثبت اثرات سے آزادی پا لیتا ہے، وہ جنم اور موت، بڑھاپا اور دکھ سے ہمیشہ
کے لئے چھوٹ جاتا اور امر ہو جاتا ہے۔ یعنی اسے حیات جادو ادا حاصل ہوتی ہے۔ وہ
مرنے کے بعد دوبارہ جنم نہیں لیتا۔“

اس پر ارجمن سوال کرتا ہے، ”اے مهاراج! جس آدمی نے ان تینوں خاصیات سے
چھکارا پالیا ہے، اس کے اوصاف کیا ہوتے ہیں؟ وہ کیسے پہچانا جاتا ہے؟“

بھگوان کرشن جواب دیتے ہیں:

سم۔ دکھ۔ سکھا۔ سو تھا۔ سم لوٹ۔ آستم۔ کاچنا۔

تیلے۔ پریا۔ اپریو۔ دھیرا۔ تیلے۔ نندیا۔ آتم۔ سنتی

ترجمہ: اے ارجمن! جو عارف دکھ سکھ کو برابر جانتا ہے، جو اپنی ہی ذات میں مست و
بے خود رہتا ہے، مٹی کا ڈھیلا اور سونا جس کے لئے مساوی ہیں، جو اچھی اور بُری چیزیں پر
یکسان رو دعمل کرتا ہے، جو اپنی تعریف اور بد تعریف کو برابر جانتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

مان۔ ابھان۔ یو۔ تیلے۔ تیلے۔ متر۔ اری۔ پکشی۔

سرد۔ آر سبھ۔ پری تیاگی۔ گن۔ آئیتا۔ سا۔ اچھیتے۔

ترجمہ: جسے ماں اور ابھان یعنی عزت اور بے عزتی ایک جیسی ہے، جو دوست اور دشمن کو ایک نظر سے دیکھتا ہے، جس نے اعمال کے پھل کی خواہش کو یکسر چھوڑ دیا ہے اور نیکی جس کی فطرت بن گئی ہے، ایسا آدمی ان تینوں مندرجہ بالا خصوصیات سے بالاتر ہے۔ وہ عارف ہے۔

تارک الدین یعنی عارف کے اوصاف کا بیان مجز صاحب یوں کرتے ہیں۔

راحت و گلفت میں جس کی عقل رہتی ہے بجا

جس کی نظروں میں ہے یکساں، آہن و سنگ و طبلہ

بے تعلق ہے جو اپنی ہجو اور تعریف سے

ہے مساوی کامیابی اور ناکامی جسے

پاک ہے جو شوق و نفرت، عزت و توہین سے

تارک فعل و صفت اس کو سمجھتا چاہئے

خواجہ صاحب نے اس مضمون کو یوں بیان کیا۔

جو دکھ سکھ میں یکساں رہے مستقل

برابر جسے زر ہو مٹی کہ سل

مساوی پسندیدہ و ناپسند

ہو تجسس کہ نفریں وہ سب سے بلند

نہ ذلت کی پروا، نہ عزت کی بھوک

کرے دوست دشمن سے یکساں سلوک

غرض تیاگ دے مجھ پر سب کاروبار

مجھ تو گنوں سے وہ ہوتا ہے پار

ایران کے مشہور شاعر عمر خیام کی ربائی ہے۔

در چشم محققان چہ نبا و چہ رشت

منز لگ عاشقال چہ و دوزخ چہ بہشت

پوشیدن بیدلاں چہ اطلس چہ پلاس

زیر سر عاشقال چہ بالیں وچہ خشت

ترجمہ: گیانی (عارف) کی نظر میں اچھا برا سب یکساں ہے۔ یہاں تک کہ اس کے لئے دوزخ اور بہشت میں بھی کوئی فرق نہیں۔ اسے چاہے پہنچے کو اطلس و کنوار دے دیں،

چاہے بوریا، اس کی طبیعت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسے یہ بھی پروانیں ہے کہ اس کے سرہانے اینٹ ہے یا تکیہ۔ عارف ان باہر خارجی دنیاوی لوازمات سے بے نیاز ہوتا ہے، اس کی نظر تو پرماتما پر ہے، نہ کہ دنیا اور اس کی آسائشیں اور خوشیوں پر۔ عمر خیام کی اس رباعی کا ایک شاعر نے اردو لفظ میں یوں ترجمہ کیا ہے۔

محقق کی نظر میں کیا برا کیا اچھا

عاشق کے لئے بہت کیا، دوزخ کیا

بیدل کے لئے ثاث اور اطلس سب ایک

عاشق کے سرہانے اینٹ ہو کہ تکیہ

گور و قبح بہادر جی نے اس بارے میں یوں فرمایا۔

جو نر دکھ میں دکھ نہیں مانے

سکھ یہند اور بھن نہیں جائے

کچن مالی مانے

مطلوب: جو آدمی دکھ میں دکھی نہیں ہوتا، اور سکھ و خوف سے آزاد ہے اور سونے کو مٹی جیسا جانتا ہے۔

نہ نندا نہ است جاں کے

لوکھ مودہ ابھیمان

ہر کھ سوگ تے رہے نیارا

نانہ مان ابھاں

آسا ننا سکل تیاگے

جگ تے رہے زrama

کام کرودھ جیسہ پرسے ناہیں

تے گھٹ برہم نواسا

مطلوب: جسے اپنی ستائش و نہمت ایک سی لگتی ہے، جس نے حرص و ہوا اور الفت اور غور کو اپنے اندر سے مٹا دیا ہے، جو خوشی اور غم کے احساس سے مبراہے، جس کو عزت و بے عزتی یکساں ہیں۔ جس نے سب خواہشات و تمباکیں چھوڑ دی ہیں، اور جہاں میں رہتا ہوا کبھی جہاں سے آزاد ہے، جسے شہوت اور غصہ چھو بھی نہیں سکتے، ایسا آدمی عارف ہے۔ وہ تارک الدنیا ہے ایسے آدمی کے دل میں ہی بھگوان آن بنتے ہیں۔

تو الختیر یہ کہ جس آدمی نے مندرجہ بالا درجات حاصل کرنے ہیں، وہ حقیقت سے آشنا
ہے، وہ اونچ کمال پر پہنچ چکا۔ اب تو۔
ہے وصل خدا کا سزاوار وہ

”میں افضل ترین ہوں“

اس پندرھوئیں باب کو پرشوتم (افضل ترین) یوگ کہا گیا ہے، اس کا پہلا اشلوک ہے کہ:

یہ جبال ایک درخت کے مانند ہے، جس کی جڑ اوپر ہے اور شاخیں نیچے۔ وید اس کے پتے ہیں، یہ درخت لافقی ہے۔ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ جو شخص اس درخت اور اس کی جڑ کی ماہیت کو سمجھ جاتا ہے، وہ وید کے اسرار پالیتا ہے اور عارف بن جاتا ہے۔

آگے چل کر بھگوان کرشن، ارجن سے کہتے ہیں:
نہ۔ تت۔ بھاستے۔ سوریو۔ نہ۔ شاشکو۔ نہ۔ پادکا۔
یت۔ گتو۔ نہ۔ نورتنٹے۔ تد۔ دھام۔ پرم۔ مم۔

ترجمہ: اے ارجن جس کو نہ سورج روشن کر سکتا ہے اور نہ چاند نہ آگ، جو اپنی ہی نوری سے منور ہے، یعنی جس کی ذات میں نور ہے، وہ میں ہوں۔ میں ہی سومت والا ارض کا نور ہوں اور اس کو حاصل کرنے کے بعد انہوں کو اس دنیا میں لوٹ کر دوبارہ نہیں آتا پڑتا۔

بہ الفاظ مجھر صاحب۔

آتش و مش و قمر کی روشنی اس جا نہیں
جو میری منزل پہ پہنچا، وہ کبھی لوٹا نہیں
مندوکیہ اپنڈ میں بھی آیا ہے کہ ”جو سورج، چاند، ستاروں، بجلی اور آگ سے ماوراء ہے، بلکہ جس کی روشنی سے ہی یہ سب تباہ ہیں، وہ برہم ہے۔“ کتبہ اپنڈ میں بھی ہو، ہو کی منت موجود ہے۔

بھگوان پھر ارجن سے کہتے ہیں:
زمان۔ موہا۔ جت۔ سک دوشا

اوھیا تم۔ نتیا۔ ولنی وات۔ کاما
ووند۔ و مکتا۔ سکھ۔ دکھ۔ اسٹنی
پھنٹی۔ اموڑھا۔ پدم۔ او یوہ ت

ترجمہ: اے ارجمن! جن آدمیوں کا غور اور تحریص مٹ گئی ہے، جو ہمیشہ ایشور میں ہی اپنا دھیان لگائے رکھتے ہیں، جنہوں نے دکھ سکھ کے احساسات سے نجات پالی، ایسے عارف مجھے پاتے ہیں۔

بہ الفاظ خواجہ دل محمد۔

فریب د تکبر سے پا کر نجات
ہوس چھوڑ کر بو ریں محظ ذات
تعلق نہ سکھ دکھ کے اضداد ہوں
مقام ابد پا کے دل شاد ہوں

بھگوان آگے کتتے ہیں، ”اے ارجمن! اس جسم میں مقام یہ آتما میرا ہی جزو ہے۔ جو اس دنیا میں آگر حواسِ خُس اور من کو اپنے گرد کھینچتا ہے، اور ان میں گمراہتا ہے۔ آتما جب ایک جسم کو چھوڑتی ہے یا نیا جسم اختیار کرتی ہے تو من اور پانچ حواس کو یوں اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ جیسے بھول میں سے گزرتی ہوا خوشبو کو اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے لئے جاتی ہے۔ اے ارجمن! آتما کو جسم چھوڑ کر جاتے ہوئے یا دوسرا جنم لیتے ہوئے اور جسم کی خصوصیات کا سارا لے کر خمیازہ بھختتے ہوئی گیانی لوگ گیان کی آنکھ سے دیکھ لیتے ہیں۔ مگر بے معرفت لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے۔“

بہ الفاظ شاعر۔

قابلوں سے روح جب ہوتی ہے واصل یا جدا
ساتھ لے جاتی ہے اپنے جیسے ٹمٹت کو صبا
گوش و چشم و لس و بینی و زبان کی قوتیں
دل کی حرکت سے وہ لیتی ہیں نفس کی لذتیں
اہل دل کوشش سے اپنے دل میں پاتے ہیں اسے
مشاغل ان بے خود، محروم ہیں دیدار سے

بھگوان اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتے ہیں، ”اے ارجمن! سورج کا جاہ و جلال جو سارے عالم کو منور کرتا ہے، وہ میرا ہی جاہ و جلال ہے، جو نور چاند اور آگ میں

موجود ہے، وہ بھی میرا ہے۔”۔

مر عالم تاب اک جلوہ ہے میرے نور کا
ماہ میں اور شعلہ آتش میں ہے میری ضیا
اس کے بعد بھگوان نے یوں کہا:

سرو سیرہ۔ چا۔ اہم۔ ہر دے۔ سم۔ نوشہ

متا۔ سرتی۔ گیانم۔ ایو نہم۔ چا

دیدے۔ چا۔ سروے۔ اہم۔ ایو۔ دیدیو

دیدانت۔ کرت۔ دید۔ دیدیو۔ چا۔ اہم

ترجمہ: اے ارجن! میں سب کے دل میں موجود ہوں۔ مجھ سے ہی گیان ہوتا ہے۔
ویدوں اور وید انت کو ظاہر کرنے والا بھی میں ہوں اور ان کے ذریعے قابل اور اک بھی
میں ہوں۔

ہر انسان کے دل میں ہوں پہاں بھی میں
کہ دوں حافظ، علم۔ نیاں بھی میں
میں داتا ہوں، روشن ہے سب مجھ پے وید

ہے وید انت مجھ سے وید ویدوں کا بھید

اگلے اشلوکوں میں پھر فرماتے ہیں کہ، ”اے ارجن! میں مادہ اور روح سے بھی ماورا
ہوں، اور ویدوں اور دنیاوں میں سب سے افضل مشہور ہوں۔ اس لئے اے ارجن! جو
عارف مجھے افضل ترین (پرشوت) کے طور پر جانتا ہے وہ سب کچھ جانتا ہے اور وہ پورے
جنہی سے، دل لگا کر میرا بھجن (ورد، حمد و شا) کرتا ہے۔“

خواجہ دل محمد نے اس بات کو شعروں میں ہوں تختیق کیا۔

جو پرشوت اس اس طرح جانے مجھے

دل حق نگر سے جو مانے مجھے

تو بھارت سمجھ با خبر ہے وہی

وہ تن من سے کرتا ہے بھگتی میری

دیوتائی اور شیطانی صفات

گیتا کے سولہویں باب میں دیوتائی اور شیطانی صفات کا ذکر آتا ہے۔ بھگوان فرماتے ہیں کہ ساری دنیا میں جس قدر آدمی ہیں، وہ قسموں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک دیوتا سیرت اور دوسرے شیطان سیرت۔ دیوتا سیرت آدمیوں میں کیا کیا خوبیاں ہوتی ہیں؟ بھگوان نے اس کی وضاحت یوں فرمائی:

”اے ارجن! تذرتا، باطن کی پاکیزگی، طبیعت کی معرفت اور یوگ کا قیام، دان کرنا، حواس کو قابو میں لانا، بھینٹ کرنا، ریاضت کرنا اور راست بازی، بے آزاری، صداقت، غصہ نہ کرنا، تیاگ، شانتی، سکون قلب، چغلی نہ کھانا، فراخدلی، رحمی، لاغع نہ ہونا، انکساری، حوصلہ، جلال، عفو، پاکیزگی، عداوت نہ رکھنا، غور نہ ہونا۔ یہ سب دیوتائی گن ہیں، یعنی دیوتاؤں والی صفات۔

مجز صاحب نے ان اشلوکوں کا ترجمہ یوں کیا۔

شوق ذکر و فکر، بے خوفی، صفائے باطنی
زہد و ضبط و فیض تعلیم و ریاضت، سادگی
صبر، سچائی، بھی خواہی، رضا، ترک خودی
رحم، استغنا، سکون، حلم و حیا، شجیدگی
ہمت و صلح و شرافت، شان و عفو و انکسار
نیک انسانوں کے یہ اوصاف ہیں نادر

اب ان اوصاف پر گیتا کے حوالے سے باری باری بات کرتے ہیں۔

بے خوفی: اس کا مطلب ہے کہ دھرم کے کاموں میں، صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے، دلیری، نیکی اور دھرم کے کاموں میں جو بھی تنکیف آئیں، ان کا بے خوفی اور خندہ پیشانی کے ساتھ سامنا کرنا۔ پاپ کرنے میں دلیری تو انتہائی پستی کی بات ہے۔ پاپ میں دلیر کرنے والا تو سیدھا جنم میں جاتا ہے۔ بھگوان فرماتے ہیں کہ ”اے ارجن! بے خوف ہو کر دھرم

یہ میں ڈٹ جا۔"

باطن کی صفائی: اپنے من میں پاکیزہ جذبات رکھنا، عقل کو نیکی اور دھرم کی طرف لگانا۔ عقل میں دو صفتیں ہوتی ہیں، ایک تیزی، دوسری پاکیزگی۔ عصر حاضر کے لوگوں کی عقل میں تیزی تو بہت ہے مگر پاکیزگی نہیں۔ نت نتی اور عجیب و غریب ایجادات عقل کی تیزی کا ہی نتیجہ ہیں۔ مگر باطن کی صفائی نہ ہونے سے یہی ایجادات خلق کی تباہی کا یاعث بن رہی ہیں۔ چوری اور دھوکہ بازی کے لئے بڑی عقل درکار ہوتی ہے، مگر ایسی عقل غیرپاکیزہ ہوتی ہے اور یہ شیطانوں (راکشوں) کا خاصہ ہے۔ پاکیزہ عقل، جو کہ آدمی کو نیکی اور دھرم کی طرف مائل کرے، وہ دیوتائی خاصہ ہے۔

ریاضت اور ضبط نفس: من کو ہیشہ ترکیہ نفس، ریاضت اور مشق معرفت میں لگائے رکھنا دیوتائی صفت ہے۔ یہ تو ایسی صفت ہے کہ جس کے لئے دیوتا بھی ترستے ہیں۔ (مزید تفصیل باب نمبر چھ میں ملاحظہ ہو۔)

دان وینا: یہ بھی دیوتائی صفت اور عین دھرم ہے۔ جو شخص دان دیتے وقت جگہ، وقت اور لینے والے کے احتقاد کی پڑال کر کے دان دینا ہے وہ دان اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے اور اس کا پھل برا اچھا ملتا ہے۔

دوم: دان کے بعد دم آتا ہے، اپنے حواس خسہ کو قابو میں کر لیتا۔ عام لوگ تو اپنے حواس کے قابو میں ہیں اور ان کے اشاروں پر ناج رہے ہیں۔ حواس انہیں زبردستی سمجھ کر خواہشات کی جانب لے جاتے ہیں۔ دیوتائی صفات رکھنے والے پہلے اپنے حواس کو دیاتے ہیں اور یوگ کے ذریعہ، ریاضت سے ان پر قابو پا لیتے ہیں۔

میگیہ: یکیہ (یگ) سے مراد بھیت اور چڑھاوے وغیرہ چڑھانا ہے، مگر اس کے اصل معنی نیکی یا خدمت خلق کے ہیں۔ اپنے ہم جنوں کی خدمت کرنا جو اس کے لئے ہے۔

سوادھیاۓ: یعنی مذہبی کتب کا روزانہ صحیح پروگرام کے مطابق پانچ (مطالعہ) کرنا بہت فائدہ مند ہے۔ اس سے من دھرم کی گنجائی میں اشناز کر لیتا ہے اور آہستہ آہستہ صاف ہوتا چلا جاتا ہے۔

ریاضت: من کو ضابطہ میں رکھنے کا نام ریاضت (پ) ہے۔ من کو خواہشات سے

نکال کر یوگ میں لگانے کا نام ہی تپ ہے۔ یوں سمجھیں کہ من ایک پچھڑا ہے، جو بت زیادہ کوئی پچاندنے کا عادی ہے۔ تپ لگام ہے، جس سے اسے قابو میں کیا جا سکتا ہے۔

ساڈیگی: اس سے مراد سیدھا پن ہے، یعنی طبیعت میں ٹیڑھے پن کا نہ ہونا۔ عام لوگوں کے من میں گرہیں ہوتی ہیں، وہ زبان سے کچھ کہتے ہیں، دل میں کچھ لئے ہوتے ہیں اور کرتے کچھ اور ہی ہیں۔ ٹیڑھا پن شیطانی صفت ہے اور سیدھا پن دیوتائی۔ سادگی سے مراد بھولا پن ہرگز نہیں ہے۔ آدمی سیدھا ہو مگر بے وقوف نہیں۔ اس کی سادگی میں سیانا پن ہونا چاہئے۔ دوسروں کے کرتوت خوب سمجھے مگر خود سیدھا رہے، راہ راست کو ہرگز نہ چھوڑے۔

آہنسا: یعنی بے آزاری اور عدم تشدد۔ کسی کو بھی اپنی زبان یا من سے دکھ نہ پہنچائے۔ کسی کے بارے میں بڑی سوچ دل میں نہ لائے اور نہ ہی کسی کو کسی قسم کی تکلیف دے۔ مہاتما گاندھی کو اس ایک راہ نے کتوں ہی سے ممتاز کر دیا تھا۔

سچائی: کسی بات کو جوں کا توں ہی بیان کر دینا سیئے (صدقافت) کہلاتا ہے۔ حق بولنے والا شخص کبھی پاپ نہیں کر سکتا، کیونکہ پاپ کو چھپانے کے لئے جھوٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس شخص نے حق بولنے کی قسم کھارکھی ہے، وہ پاپ کر ہی نہیں سنتا۔

نرم ولی: کبھی بھی غصہ نہ کرنا، طبیعت میں غصہ کا بالکل نہ ہونا بھی دیوتائی صفت ہے۔ یہ صفت رکھنے والا آدمی ایسی بات پر بھی شانت بیٹھا رہتا ہے، جس پر عام لوگ غصہ میں آکر دیوانے ہو جاتے ہیں۔ غصہ انسان کے اندر چھپا ہوا ایک دشمن ہے۔ اس پر قابو پا لیتا بڑی ہمت کا کام ہے۔ جس شخص نے اپنے اندر سے غصہ کو نکال دیا ہے، وہ بڑا ہی بہادر ہے۔ وہ تو دیوتاؤں جیسا ہے کیونکہ غصہ ہی ظلم پر آمادہ کرتا۔

تیاگ: تیاگ کا مطلب ہے چھوڑنا۔ اس سے مراد ہے کہ دل کی گھرائیوں سے تیاگ کرنا، یعنی باطنی تیاگ۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیاوی لوازمات سے بے لوث رہنا ہی اصلی تیاگ ہے۔ دنیا میں پوری تن دہی سے بر تاؤ کرنا، لیکن یہاں دل کو نہ لگانا، دنیا کی کسی شے کو اپنی ملکیت نہ سمجھنا، دنیاوی حرص و ہوا کے جال میں نہ پھنسنا تیاگ کہلاتا ہے۔ یہ صفت حاصل کر لینے والا تو حقیقی معنوں میں دیوتا ہے۔

شانستی: من کو ہر وقت ثہبڑا رکھنا، چاہے کوئی مشتعل کرنے کی کتنی ہی کوشش

کیوں نہ کرے۔ من کو گرم نہ ہونے دینا، بھڑکنے نہ دینا، اسے ہر وقت اختیار میں رکھ کر متانت رکھنا دیوتائی صفت ہے۔ اس سے ابدی طہانیت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ من کے مشتعل ہونے سے جذبات بھی مشتعل ہو جاتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کوئی دکھ نہیں، بلکہ یہ کہنا درست ہو گا کہ من کی بے کلی اور جذبات کا اشتعال ہی دنیا میں افراطی اور حرص و ہوا کا ایک بہت بڑا بلکہ مرکزی باعث ہے۔ اس کے برعکس من کو ٹھنڈا رکھنے والا شخص ہمیشہ مطمئن و مسرور رہتا ہے۔ اور شانستی سے بڑھ کر کوئی سکھ نہیں۔

غیبت نہ کرنا: غیبت کرنے والا آدمی بچ ہوتا ہے۔ لذا بھگوان کا ارشاد ہے کہ کسی کی غیبت نہیں کرنی چاہئے۔ لذا یہ بھی دیوتاؤں والی صفت ہے۔

رحم: سب ذی حیات کے لئے رحم کے جذبات رکھنا بھی دیوتائی صفت ہے۔ جب انسان کے پاس کسی کو سزا دینے کی طاقت اور اختیار ہو، لیکن وہ ہاتھ کو روک لے، اس کا نام ہی رحم (دیا) ہے۔ رحم کرتے وقت استحقاق بھی نظر میں رکھنا چاہئے۔ پاپی پر رحم کر کے اسے سزا نہ دینا تو غلط رحم ہے، کیونکہ وہ پاپی اور بھی زیادہ پاپ کرنے لگے گا۔ پاپی کو سزا دے کر اسے پاپ کی راہ سے ہٹا دینا اس پر رحم کرنے کے ہی مترادف ہے۔ البتہ اگر کسی سے نادانست طور پر یا بھول چوک سے زیادتی ہو جائے تو اسے ضرور معاف کر دینا چاہئے۔ وہ رحم کا حقدار ہے۔ رحم کرنے کے لئے دل میں بڑی وسعت چاہئے۔ فراخدلی کے بغیر رحم کرنا ممکن نہیں۔

بے تعلق ہونا: یہوی بچوں کے تعلق (کش) سے آزاد رہنا، ان کی خدمت کرنا مگر بے تعلق ہو کر جس طرح ڈاکٹر اپنے مریضوں کی خدمت کرتا ہے، ان کی چیز ھاڑ بھی کرتا ہے، کڑوی سے کڑوی دوائی بھی پلاتا ہے، مگر یہ سب کچھ ان کی بھلائی کے لئے کرتا ہے، کسی خاص تعلق یا کش کے تحت نہیں۔

کوہلتا: نرمی، طبیعت میں گداپن ہونا اور کثھورپن نہ ہونا بھی دیوتاؤں والی خصوصیت ہے۔

احساس ملامت: پاپ کرنے میں شرم محسوس کرنا۔ اپنے دل میں خود ہی شرمندہ ہونا کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں۔ جس شخص میں یہ گن ہے وہ پاپ نہیں کر سکتا، کیونکہ پاپ کرتے وقت اس کا اپنا دل ہی اسے ملامت کرے گا اور شرم کے باعث وہ پاپ کرنے سے

باز آجائے گا۔

اطمینان: یعنی چپل پن نہ ہونا۔ عام آدمی چپل مزاج ہوتے ہیں۔ یہ مزاج قابل تحسین نہیں ہے۔ چنگلتا نہ ہونا، پر یقین اور مستقل مزاج ہونا دیوتائی گن ہے۔

جلال: بدبدہ، رعب۔ اس کی دو فرمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو ڈاکوؤں یا ظالموں کا ہوتا ہے، دوسرا نیک سیرت و حراماتا بادشاہ کا رعب۔ لفظ جلال سے وہ رعب مراد ہے جو دھرم پر عمل کرنے والوں کے چہروں پر ہوتا ہے۔ ڈاکو یا پاپی لوگوں والا رعب شیطانی کھلاتا ہے۔ جلال تو وہ رعب ہے جو دھرم، نیکی اور پاکیزگی کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ دھرم کے مطابق حاکم بادشاہ کھلاتا ہے۔ اس میں جلال ہوتا ہے جو حکمران دھرم اور پاپ کے مل بوجتے پر حکومت کرتا ہے وہ ڈاکو ہے۔ وہ رعیت کا شیرا ہے۔ رعب تو اس کا بھی ہوتا ہے مگر ہم اسے جلال نہیں کہیں گے۔

عفو و درگزر: کسی کی غلطی معاف کر دینا، فراغدل انسانوں کا شیوه ہے، اور بدله لیتا تکدوں کا۔ جو شخص دوسروں سے بدله نہ لے اور معاف کر دے، وہ فرشتہ سیرت ہے۔ اس کا رتبہ بست بلند ہے۔

استقامت: حوصلہ اور مستقل مزاجی، یعنی انگریزی میں (Perservance) کہتے ہیں۔ نیکی کے کام میں استقامت بھی تو چاہئے۔ پاپ میں مستقل مزاجی گراوٹ ہے۔ نیکوکاری میں مستقل مزاج ہونا دیوتائی صفت ہے۔ نیکی کے راستے میں مشکلات اور تکالیف سے نہ گھبرانے والا شخص دیوتا ہے۔

پاکیزگی: جسم اور من کو ہر دم پاک رکھنا۔ اپنے من میں ناپاک اور گندے خیالات کو جگہ نہ دینا، ہر دم اپنی ظاہری اور باطنی، یورونی اور اندرونی، داخلی اور خارجی، جسمانی اور روحانی پاکیزگی کی کوشش کرنا دیوتاؤں والی خصوصیت ہے۔

کینہ نہ کرنا: یعنی دل میں بغض اور کینہ نہ رکھنا۔ جس شخص نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے، اس سے انتقام لینے کی دھن میں لگا رہنے کی بجائے کینہ چھوڑ دینا ہی اچھا ہے۔ دل میں کسی زیادتی کو یاد رکھنا اور بدله لینے کے لئے موقع کی تلاش میں پروری ہے اور یہ شیطانی صفت کھلاتا ہے جبکہ معاف کر کے زیادتی کو بھول جانا دیوتائی صفت۔

تکبر نہ کرنا : اپنے اوپر گھمنڈ فخریا مان نہ کرنا۔ خود کو نمانا اور حقیر خیال کرنا دیوتائی گن ہے۔ اس سے روحانی ترقی کا راستہ جلدی مل جاتا ہے۔ اس کے برعکس گھمنڈ کرنے والا انسان جلد ہی پستیوں میں گرفتار جاتا ہے۔ شاہ حسین لاہوری نے اپنی کافیوں میں بیشتر جگہ خود کو شاہ حسین نامانا کہا ہے۔ اس نے دنیا کو تیاگ کر معرفت حاصل کرنے کا راہ اختیار کیا تھا۔ بے لوث و فاواداری، صبر شکر اور رضامندی کی صفات کے باعث وہ کتنے کو مثال بنتے ہوئے کہتے ہیں :

”کہ حسین فقیر سائیں وا

در تیرے دی کتی ہیں“

یعنی، اے محبوب میں تم تیرے در پر کتیا کی طرح پڑا ہوں۔ کوئی غور، تکبر، گھمنڈ اور غرض نہیں، سوائے تجھے پانے کے۔

مندرجہ بالا تمام خوبیاں دیوتائی ہیں۔ ہندی زبان میں اس کے لئے لفظ ”دیوی سپت“ استعمال کیا گیا۔ اس کا درست ترین انگریزی ترجمہ (Divine Assets) ہے۔ لہذا یہ تمام خوبیاں رکھنے والا شخص بھی دیوتا خصلت ہے۔

بھگوان نے ارجمن سے کہا کہ، ”اے ارجمن تو ماہیوں نہ ہو کیونکہ تجھ میں یہ تمام خوبیاں موجود ہیں۔ تو میرا سچا بھگت ہے۔“

ہم سب کو چاہئے کہ اپنے دل میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم ان خوبیوں پر پورا اترتے ہیں یا نہیں۔ اس سے اپنا محابہ کرنے میں مدد ملتے گی۔ بگو یہ بہت مشکل بات ہے لیکن کافی اہم بھی۔ کیونکہ یہی خوبیاں نہ ہوں تو انسان انسان نہیں رہتا۔

دیوتائی صفات کے ذریعہ مکتی

بھگوان فرماتے ہیں۔ ”اے ارجمن! دیوتائی صفات مکتی دلانے کا باعث بنتی ہیں اور شیطانی صفات گمراہیوں میں پھینکنے والی ہیں۔ روحانی ترقی کے خواہشندوں کو چاہئے کہ اپنے اندر دیوتائی خوبیاں پیدا کریں۔ فرشتہ سیرت ایک دن میں ہی نہیں بنا جا سکتا، اور نہ ہی حسن خواہش کرنے سے ہم اسے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے بڑی محنت اور بہت وقت درکار ہے۔ مگر کوشش کرتے کرتے بالآخر سیرت بدلتی جاتی ہے۔“

راقم المعرف نے جب گیتا شروع کی اور اس باب کو پڑھا تو بست حیرت زدہ ہوا، کیونکہ ان دنوں میرے اندر غصہ، نجوت، غور، لامع، پتے بازی، اور دیگر بست سی برائیاں پورے زوروں پر تھیں۔ جب سولہواں باب پڑھا تو حیران رہ گیا کہ جن باتوں کو میں خوبیاں سمجھے بینھا تھا، وہ تو گیتا کے لحاظ سے شیطانی صفات ہیں، اور آہنا، درگزر، وغیرہ جن کو میں کمزوری کی نشانیاں سمجھتا تھا، وہ دیوتائی خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں۔ میں نے سوچا کہ یا تو گیتا غلط ہے یا میری سمجھہ الٹی۔ رفتہ رفتہ طبیعت نے اس بات کو تسلیم کر دیا کہ میری ہی سمجھہ الٹی ہے کہ بھول سے برائیوں کو خوبیاں سمجھ رہا ہوں۔ پھر تو یہ دھن سوار ہو گئی کہ اپنا مزاج اور روایہ بدلا چاہئے۔ چنانچہ اس کوشش میں لگ گیا۔ تکمیل تو بست دور کی بات ہے، تاہم یہ کوشش ضرور ہے کہ شیطانی صفات ختم کر کے اپنے اندر دیوتائی صفات پیدا کروں۔ کافی حد تک اس مقصد میں کامیابی بھی ہوئی ہے۔

جب کوئی آدمی گیتا پڑھنے کی خواہش کے ساتھ میرے پاس آتا ہے تو میں اسے سب سے پہلے سولہواں باب پڑھنے کو کہتا ہوں۔ کیونکہ یہ بست ہی واضح اور آسان ہے۔ اس میں آتما اور پرماننا جیسی باریک باتوں کا ذکر نہیں۔ سمجھئے کہ انسان کے اندر وہ کی تصور کشی ہے۔ یہ سولہواں باب ایک آئینہ ہے، جس میں ہر کوئی اپنی تصوری دیکھے گا۔ اور اس طرح وہ یہ فیصلہ کر سکے گا کہ آیا وہ فرشتہ سیرت جماعت میں ہے یا شیطانی گروہ میں۔ یہ باب پڑھ کر اور اس میں اپنا عکس دیکھ کر انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ یہ کیا معنے ہے؟ جن خوبیوں پر وہ اتراتا پھر رہا ہے، وہ تو شیطانی وصف ہیں۔ فرشتہ سیرتی تو اور چیز ہے۔ اس سے قاری کے دل و دماغ میں ایک دھکا سالگتا ہے۔ جو اس کو جگا دیتا ہے۔ اس کی سمجھہ میں آ جاتا ہے کہ وہ غلط راستے پر ہے۔ ٹھیک راستہ تو اس کے بالکل برعکس ہے۔ پھر وہ شیطانی وصف چھوڑنے کی کوشش شروع کر دیتا ہے۔ اور اس کے بدالے میں نیک صفات پیدا کرنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ یوں اس کو اپنی روحانی ترقی نظر آنے لگتی ہے۔ وہ دھیرے دھیرے روحانی ترقی کے زینے پر چھکتا شروع کر دیتا ہے۔ ان دیوتائی صفات کے اندر ہی روحانی ترقی کا راز مضرب ہے۔

آدمی کو چاہئے کہ ان خوبیوں میں سے کسی ایک ہی کو لے کر اس میں پنچھی حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دے۔ باقی اثر اس پر خود بخود عیاں ہوتا چلا جائے گا۔ دیوتائی صفات کے بغیر معرفت ناگزین ہے۔ معرفت کے خواہش مندوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ پہلے اپنے اندر دیوتائی وصف پیدا کریں۔ فرشتہ سیرت بنیں۔ جب تک وہ ایسا

نہیں کرتے، جمالت اور تاریکی میں ہی ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔

شیطانی خصائص

آسمانی سپت یعنی شیطانی سیرت کے بارے میں بھگوان فرماتے ہیں : ”اے ارجمن ! مکاری، گھمنڈ، غور، غصہ، سخت کلامی، جمالت یہ سب شیطانی سیرت لوگوں کا وصف ہوتی ہیں۔ شیطان لوگ یہ نہیں جانتے کہ انہیں کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں۔ ان میں امر و نہی کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔ نہ ان میں پاکیزگی ہوتی ہے نہ نیک عمل۔“ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ اس جہان کا کوئی ایشور نہیں۔ ان کے خیال کے مطابق نفساتی لذات ہی سب کچھ ہیں، ان سے بڑھ کر کوئی بھی شے نہیں۔ وہ لوگ اپنی لذات کی خاطر جیتے ہیں اور نفس کی لذت پر ہی فریقتہ ہیں۔“

پھر فرمایا : ”اے ارجمن ! یہ شیطان صفت لوگ انتہیت، طاقت، گھمنڈ، شہوت اور غصہ کی وجہ سے ایسے ہیں۔ یہ بد کلام ہیں اور مجھ (بھگوان) سے ’جو بلا امتیاز ہر ایک میں بتا ہے، نفرت کرنے والے ہوتے ہیں۔‘“

قاریوں سے التماں ہے کہ وہ اپنے باطن کو کھنگال کر دیکھیں کہ ان میں ان مندرجہ بالا باتوں میں سے کس بات کی کمی ہے۔ اگر اپنے اندر کو واضح طور پر دیکھا جائے تو یوں لگتا ہے گویا بھگوان نے ہمیں آئینہ دکھا دیا۔ فوراً علم ہو جاتا ہے کہ ہم شیطان ہیں یا فرشتہ ایک مرتبہ اپنے نقائص سمجھ آجائیں، اپنی اصلاحیت تھیک طور پر معلوم ہو جائے تو انسان ترقی پر ماں کل ہوتا ہے، اس کے لئے کامیاب کوشش کرپاتا ہے۔

برول کا انجام

شیطانی خصلت رکھنے والے لوگوں کا کیا انجام ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں بھگوان فرماتے ہیں : ”اے ارجمن ! ان بخ اور برے اعمال کرنے والے اور بری خواہشات رکھنے والے لوگوں کو میں بار بار رذیل جنم میں ڈالتا ہوں۔ ہر جنم کے بعد ان کا درجہ گھستا ہی چلا

جاتا ہے۔ انسان کو اپنا سدھار کرنے کے لئے اگلا جنم ملتا ہے تاکہ وہ اخلاقی اور روحانی طور پر ترقی حاصل کرے۔ مگر شیطان سیرت لوگ ہر جنم میں پسلے سے بھی زیادہ پاپ اور زیادتیاں کرتے ہیں، جس سے ان کی ذلت بڑھتی چلی جاتی ہے اور ان کا جنم ذلیل سے ذلیل تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ ”چنانچہ خواجہ صاحب بھی کہتے ہیں کہ:

ایے موزی، بد چلن، ظالم ذلیل اشخاص کا
نسل شیطانی میں کرتا ہوں تزل بارہا

بھگوان فرماتے ہیں: ”اے ارجمن! جنم جنم میں شیطانی برائیاں کر کے یہ ذلیل لوگ مجھ سے بذریعہ دور ہوتے جاتے ہیں، اور مجھے نہ پاکر بخ شے بخ دوب پاتے ہیں۔ ان کی ذلت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہ لوگ ترقی کرنے کی بجائے زوال پذیر ہوتے جاتے ہیں۔“
کتم اپنہد میں آیا ہے کہ انسان جیسے اعمال کرتا ہے۔ آنی کے مطابق اسے دوسرا جنم ملتا ہے۔ اگر انسان نے بہت ہی رذیل مکام کے ہو تو اس کی پصتی یہاں تک ہو جاتی ہے کہ وہ مرنے کے بعد درخت بن جاتا ہے۔ پھر دوبارہ انسانی قلب حاصل کرنے کے لئے اسے کروڑوں سال درکار ہوتے ہیں۔

گیتا کے اگلے اشلوک میں بھگوان نے یوں کہا:

تری۔ ودهم۔ نر کیس۔ ادم۔ دوارم۔ ناشم۔ آتمنا
کاما۔ کرو�ا۔ تھا۔ لوها۔ تسمات۔ ا۔ ت۔ ترم۔ تنجیت

ترجمہ: اے ارجمن! نر کے تین دروازے ہیں: کام، کرو�ہ اور لوهہ۔ یعنی شہوت، غصہ اور لالج۔ یہ تینوں آتما کو پستی سے دوچار کرنے والے ہیں۔ لہذا آدمی کو چاہئے کہ ان تینوں کو ترک کر دے۔

یہ تینوں آتما کے جانی دشمن ہیں۔ ان کو اندر سے مٹا دینا چاہئے، فتاک رو دینا چاہئے۔ تب ہی کیس جاکر روحانی ترقی ممکن ہو سکتی ہے۔

فیضی صاحب نے اس اشلوک کا ترجمہ یوں کیا۔

دروازہ دوزخ اے جوال
طبع ہست و نشم است و شہوت بدال
یعنی اے انسان! شہوت، غصہ اور لالج، یہ دوزخ کے تین دروازے ہیں۔ ان تینوں کو چھوڑ دے۔

جس نے ان تینوں برائیوں سے دامن بچالیا اس کے لئے سکھ ہی سکھ اور شانستی ہی

شانتی ہے۔ پھر تو وہ سورگ واکی (جتنی) ہو جاتا ہے۔ بے الفاظ مجرم صاحب۔
 حرص، خواہش اور غصب، دوزخ کے دروازے ہیں تین
 ان سے اپنا دل ہٹا، وہ دل کو لے جاتے ہیں چیزیں
 جمل و بدکاری کے اللئے راستوں کو چھوڑ کر
 منزل مقصود تک ہوتا ہے تیکوں کا گزر
 گر گیا اخلاق کی معیار سے جن کا خیال
 ان کی قسم میں نہیں عرفان، راحت اور وصال
 جب تک انسان کا اخلاق بلند نہ ہو، روحانیت کا دروازہ بند ہی رہتا ہے۔ روحانیت سے
 پہلے اخلاق آتا ہے۔ اخلاق ہی وہ بنیاد ہے جس پر روحانیت کی منزل نے تغیر ہونا ہوتا ہے۔
 اس لئے اے دوست! اخلاق کی بنیاد اپنے اندر مضبوط کرو۔ اس کے بعد روحانیت کی
 منازل طے کرنا بہت زیادہ دشوار نہیں رہے گا۔
 دیوتائی اور شیطانی صفات نای سولہواں باب ختم۔

تین قسم کی عقیدت

اس باب میں بھگوان فرماتے ہیں: "اے ارجمن! تین گنوں کے مطابق ہی تین قسم کی عقیدت (شودھا) ہوتی ہے۔ ساتوکی۔ راسی۔ تامسی۔"

پچھے بھی وضاحت کی گئی ہے کہ ستونگ روح کو معرفت کی جانب مائل کرتا ہے۔ رجوع گن دنیاوی سکھ اور آرام کا دلدادہ ہاتا ہے اور تمونگ آدمی میں نیند، بیکاری اور کاہل پیدا کرتا ہے۔ انہی تینوں گنوں کی بنیاد پر تین قسم کی عقیدت ہوتی ہے۔ معرفت کی جانب مائل انسانوں کی عقیدت بھی عارفانہ ہوتی ہے۔ اسی طرح دنیاوی آسائشات میں دھنے ہوئے شخص کی عقیدت محض دکھاوے کی یعنی دنیاوی، جبکہ ست، کامل اور بیکار شخص کی عقیدت بھی اس جیسی ہوگی۔

بھگوان کہتے ہیں کہ اے ارجمن! سب آدمیوں کی عقیدت اپنی ذات پر منحصر ہوتی ہے۔ یعنی باطنی کیفیت کے مطابق۔ ہر شخص کسی نہ کسی شے سے عقیدت ضرور رکھتا ہے۔ عقیدت اور باطن ایک دوسرے کا مکوس ہی ہیں۔ جیسی عقیدت، ویسا باطن۔ جیسا باطن، ویسی عقیدت۔

پھر فرماتے ہیں:

"عارفانہ عقیدت والے دیوتاؤں کی حمد و شنا کرتے ہیں۔ دنیاوی سکموم کے شوقین را کشسان اور تیسری قسم والے لوگ بہوت پرستوں کو پوچھتے ہیں۔" اس اشلوک کا ترجمہ مجذع صاحب نے یوں کیا۔

دیوتاؤں کی پرستش ہے طریق عالمان
راکش اور یکش کی پوجا ہے طرز عالمان
دیدہ و دانش پر جن کے جمل کا پردہ پڑا
پوچھتے پھرتے ہیں بہوت اور پریت کو وہ جانجا
آگے چل کر بھگوان پھر فرماتے ہیں: اے ارجمن! باطنی کیفیت (بھادو) کے مطابق ہی کھانا

پہننا بھی تین قسم کا ہوتا ہے اور ایسے ہی تین قسم کی خدمت خلق اور ریاضت اور دان۔ روح کی ترقی میں لگے ہوئے لوگوں کو روحانی غذا پسند ہوتی ہے۔ ان کی خدمت خلق، ریاضت اور دان بھی دیسے ہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح دنیادار اور اس کے بعد کامل اور جاہل لوگوں میں یہ بات اپنے اپنے گنوں کے مطابق ہوتی ہیں۔

”اے ارجمن! جو کھانا عمر کو بڑھانے والا ہو، جسم اور دل کو طاقت بخشدے، جو تمدربتی اور سکھ دے، جو رسیلا، چکنا اور مقوی ہو، (مثلاً اماج، پھل، سبزیاں، دودھ، دہی، مکھن، گھی، دغیرہ) ایسے کھانے عارف لوگوں کو پسند ہوتے ہیں۔ ان کھانوں سے روحانی کیفیت میں ترقی ملتی ہے۔“

بہ الفاظ خواجہ دل محمد۔

غذا جس سے صحت ہو اور زندگی بڑھے زور و طاقت، خوشی، خرچی مقوی ہو، پر رونگ اور خونگوار ستونگ کے شائق کو ہے اس سے پیار دنیادار لوگوں (تامسی) کے کھانوں کا ذکر کرتے ہوئے بھگوان فرماتے ہیں:

”کھٹے، ترش، بست گرم، چٹ پٹے، روکے اور جلن پیدا کرنے والے کھانے دنیادار (رجوگن) لوگوں کو پیارے لکھتے ہیں۔ مثلاً لال مرچ، الی، کھنایاں، اہمار، چنی وغیرہ۔ ایسے کھانے دکھ، رنج اور بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔“

بہ الفاظ خواجہ صاحب۔

سلونی ہو کھٹی کہ کڑوی غذا جلی، چٹ پٹی، گرم یا بے مزا غذا ایسی کھائیں رجوگن کے لوگ انہیں رنج ہو، دکھ ہو یا تن کا روگ عام دنیادار لوگوں کو مصالحہ، مرچ والے اور چاٹ دار کھانے مرغوب ہوتے ہیں۔ گویہ بیماری اور دکھ کا گھر ہوتے ہیں۔

جاہل اور کامل لوگوں کے کھانے کے بارے میں بھگوان فرماتے ہیں:

”بایسی، بدیودار، جھونٹا، خراب اور نیاپک کھانا جاہل اور کامل (تامس) لوگوں کو مرغوب ہوتا ہے۔ مثلاً گوشت، چھلی، اندڑا، شراب و دیگر نشہ آور اشیاء۔“

خواجہ صاحب نے یہ بات یوں بیان کی ۔

جو بسی ہو، بودار، گندی غذا
ہو بد ذاتیہ یا کہ جھوٹی غذا
یہ کھانا تمکن کے بندوں کا ہے
کہ کھانا جو گندہ ہے گندوں کا ہے
صاحب! معلوم رہے کہ انسان جیسی غذا کھاتا ہے ویسا ہی اس کا من بتا ہے۔ غذا کا
تعلق نہ صرف جسم سے ہے بلکہ من اور عقل سے بھی ہے۔
چناندو گیر اپ شد میں آیا ہے کہ:

آہار شد حبوب ستو۔ شدھی

یعنی شدھ (غالص) غذا سے شدھ من اور شدھ عقل پیدا ہوتی ہے۔ عارفانہ غذا سے
عارفانہ من، دنیاوی کھانوں سے دنیاوی من اور جاہلناہ کھانوں سے جاہل من پیدا ہوتے
ہیں۔

تین قسم کی ریاضت

بھگوان فرماتے ہیں کہ عقیدت اور غذا کی طرح ریاضت بھی تین قسم کی ہوتی ہے۔
عارفانہ، دنیاوی اور جاہلناہ۔ یہ تینوں قسم کی ریاضت اپنے اپنے جیسے بندوں سے وابستہ ہے۔
بھگوان جسم، زبان اور من کی ریاضت کا جدا جدا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں : ”اے
ارجن! نیک لوگوں، عالموں، گورو اور بزرگوں کی تعظیم کرنا، پاک بازی، طبیعت کی سادگی،
تجدد، عدم تشدد شریرو یعنی جسم کی ریاضتیں ہیں۔ ان کے ذریعہ جسم مضبوط ہوتا ہے اور ترکیہ
نفس میں مدد ملتی ہے۔“

خواجہ دل محمد کے الفاظ میں ۔

آہنا، تجدُّد، صفا، راستی

بدن کی ریاضت یہی ہے کی

بھگوان نے مزید کہا : ”وکھ نہ دینے والا اور پریم بھرا ہوا کلمہ بولنا، سچ بولنا، دھرم کی
کتب کا مطالعہ کرنا اور ”ادم“ کا ورد کرنا“ یہ زبان کی ریاضت ہے۔ ان سے انسان اپنا
زبان پر قابو پایتا ہے اور زبان میں لمحتی و تاثیر پیدا ہوتی ہے۔“
ب الفاظ معجز صاحب۔

راست، شیرس، مصلحت آمیز و پاکیزہ کلام

نیز علی گفتگو نہ زبانی ہے تمام
من کی ریاضت کون کون سی ہیں، اس بارے میں بھگوان ارشاد فرماتے ہیں:
”من کی پچی تکین و راحت، من کا ٹھراڑ، خاموشی (مون)، من کی خواہشات کو قابو
میں رکھنا اور نیت کی مقالی من کی ریاضت ہیں۔“

من کو ہر حالت میں ٹھنڈا اور پر سکون رکھنا اور دنیاوی سکھ دکھ کی جھوکوں سے من
میں بچپل نہ پیدا ہونے دیتا، من کی ریاضت ہے۔ اس سے من میں فکری بڑھتی ہے اور وہ
بندرنگ صاف و پاک ہوتا چلا جاتا ہے۔ روحانیت کے درستے واہوتے ہیں اور روحانی ترقی
بنت آسان ہو جاتی ہے۔

اس اٹھوک کا ترجمہ خواجه صاحب نے یوں کیا۔

سکون دل میں ہو لب پہ ہو خاموشی
ملکی، خیالوں میں پاکیزگی
رہے نفس پر ضبط اور دل ہو رام
اسی شے کا من کی ریاضت ہے نام
آگے چل کر بھگوان فرماتے ہیں: ”اے ارجمن! یہ تینوں قسم کی ریاضت (پ) اگر صلے
کی خواہش چھوڑ کر کی جائیں اور پوری عقیدت سے کی جائیں تو یہ عارفانہ ریاضت کیلاتی
ہیں۔ یعنی ریاضت کی جائے دل سے، مگر بچپل کی خواہش چھوڑ کر۔ اگر ایسا کر لیا جائے تو ان
ریاضتوں کا بچپل بنت اعلیٰ ہوتا ہے۔“
اگر دکھادے کی خاطر اور بچپل کی خواہش مقصود ہو تو یہ دنیاوی ریاضت کیلاتی ہے۔
اس کا انعام دکھ ہوتا ہے۔

اور دوسروں کا نقصان کرنے کے لئے اور خد سے تکلیف اٹھا کر کئے جائیں تو یہ
رزیل ریاضت کیلاتے گی۔ جو انسان کو جہالت کے اندر ہیروں میں ڈبو دیتی ہے۔

تین قسم کے دان

”دان دننا میرا دھرم ہے“، جو یہ بات ذہن میں رکھ کر دان کرے اور الی چکدے
جہاں سے کسی صلے کی امید نہ ہو اور یعنی والے کے اتحاقات کی پڑتال کی جائے تو اس
صورت میں دیا جانے والا دان عارفانہ کیلاتا ہے۔

بے الفاظ مجرز صاحب۔

فرض منصب جان کر، خواہش صلے کی چھوڑ کر

واجب و معقول مکن اور موزوں وقت پر
ستحق اشخاص کو خیرات دیتا ہے جو زر
عارفانہ ہے سخاوت کی طرف اس کی نظر
دنیاوی یا دکھاوے کے دان کا ذکر کرتے ہوئے بھگوان فرماتے ہیں:

”جو دان صلے کی خاطر اور پھل کی خواہش کے تحت دیا جائے اور دان دینے میں تکلف
اور کنجوں کا مظاہرہ کیا جائے، یعنی مجبوری کے تحت“ وہ دنیاوی یا ظاہری دان کھلاتا ہے۔ وہ
дан دنیا دارانہ ہے، اس کا صلہ بھی ضائع ہو جاتا ہے۔“
چنانچہ معجز صاحب فرماتے ہیں۔

جس میں ہو دل کی لگن یا آرزو پاداش کی
یا بہ مجبوری ہو، جو خیرات ہے وہ دنسوی
جاہلناہ دان کی بایت بھگوان نے یوں فرمایا:
جو دان جگہ، موقع اور لینے والے کے اتحاق کی پڑتال کے بغیر دیا جائے اور دان لینے
والے کی بے عزتی اور تحفیر کی جائے تو وہ تامسی یعنی جاہلناہ اور رزیل دان کھلاتا ہے۔
جاہل لوگ ہی ایسے دان دینا پسند کرتے ہیں۔
اس اشلوک کا ترجمہ معجز صاحب نے یوں کیا ہے۔

جس کے کرنے میں نہ ہو وقت اور موقع کا خیال
جس سے پورا ہو کسی بدوضع انسان کا بوال
جس پہ ہوتا ہو عمل توہین اور تصحیح سے
اکی بخشش کا تعلق ہے دل تاریک سے
ایسا دان دینے سے ثواب کی بجائے گناہ ہوتا ہے اور ایسا دان دینے والا جنم کا حقدار
ہو جاتا ہے۔

ان تینوں قسم کے دان سے متعلق خواجہ صاحب نے یوں فرمایا۔

اسے جان کر فرض خیرات دیں
جو حقدار ہو، جس سے خدمت نہ لیں
مناسب ہو وقت اور موزوں مقام
ستوگن سخاوت اسی کا ہے نام
ہو احسان سے بدلتے کی خواہش مگر

سخاوت میں پہل پر لگی ہو نظر
 اگر بے دل سے کوئی دان دے
 رجوگن سخاوت اسے جان لے
 اگر نامناسب ہے وقت اور مقام
 اسے دان دیں، جس کو دنیا حرام
 جو لے ان کی ذلت کریں دل دکھائیں
 توگن سخاوت اسی کو بنائیں
 اسی باب کے آخری اشلوک میں بھگوان پھر فرماتے ہیں:
 اشردھیا۔ نتم۔ دتم۔ پس۔ پسستم۔ کرتم۔ چا۔ یت
 است۔ اتی۔ اچیتے۔ پارتح۔ نہ۔ چہ۔ ت۔ پ۔ یتے۔ نو۔ اہ

ترجمہ: اے ارجمن! ہر کام میں عقیدت لانا چاہئے۔ عقیدت کے بغیر کوئی بھی کام
 کامیاب نہیں ہو سکتا۔ عقیدت کے بغیر خدمت خلق، دان، ریاضت اور فعل سب بیکار اور
 فضول ہے۔ اس سے نہ تو اس لوک (عام) میں فائدہ ہوتا ہے اور نہ پرلوک (عاقبت) میں۔
 شردها کے بغیر کسی کام کی کوئی اہمیت نہیں۔“

اس لئے فرماتے ہیں: ”اے ارجمن! عقیدت مندی کے ساتھ یہی کام میں لگ جا۔
 میرے قول پر واشوں کر کے تو اس دھرم یہ میں جٹ جا۔“
 اس میں تیری بھلانی ہی بھلانی ہے۔

ب الفاظ خواجہ دل محمد

”ہون،“ دان میں ہو عقیدت نہ شوق
 ریاضت میں ایماں، عمل میں نہ ذوق
 ان افعال کا پھر است نام ہے
 یہاں ہے، نہ ان کا وہاں نام ہے

اٹھارہواں باب

نجات کا راز

اس باب میں بھگوان کرشن مہاراج نے ہمیں نجات (مکتی) کا راز بتایا ہے۔ اس کے پارے میں مہاتما گاندھی اپنی کتاب "اماکتنی یوگ شاستر" میں یوں رقطراز ہیں کہ، "یہ باب پچھلے سترہ ابواب کا خلاصہ ہے۔ اس باب کو بلکہ پوری گیتا کے دریا کو اس ایک فقرے کے کوزے میں بند کیا جا سکتا ہے: سب دھرمونوں کو چھوڑ کر مجھ سے عقیدت رکھ۔ یہ سچا نیاں ہے۔ لیکن سب دھرمونوں کو چھوڑنا سب افعال و اعمال کا چھوڑنا نہیں، بلکہ خدمتِ خلق کے سب اعمال کو بخوبی سرانجام دے کر بھگوان کی نذر کرونا اور پھل کی خواہش چھوڑ دینا، اسی کا نام سب دھرمونوں کا تیاگ ہے۔ اور یہی میں نیاں ہے۔" ارجمن کے دریافت کرنے پر کہ، "ہے نیاں اور تیاگ میں کیا فرق؟" شری کرشن بھگوان فرماتے ہیں:

یکیہ۔ دان۔ تپ۔ کرمان۔ نہ تیاجم۔ کاریم۔ الیو۔ تت
شیکو۔ دانم۔ تپا۔ الیو۔ پادنانی۔ من۔ ایشی نام
ترجمہ: اے ارجمن! یکیہ، دان اور تپ کبھی بھی نہیں چھوڑنے چاہئیں۔ ان کو سرانجام دینا میں دھرم ہے۔ یکیہ، دان، تپ تو اونچے انسانوں کو بھی پاک بناتے ہیں۔
آگے پھر فرماتے ہیں: "یکیہ، دان اور تپ و دیگر تمام نیک اعمال بھی تعلق اور پھل کی خواہش چھوڑ کر ضرور کرنے چاہئیں۔ اے ارجمن! یہ میری مسلمہ اور اعلیٰ ترین ہدایت کبھی۔"

پیارے بھائیو! بھگوان نے ان اشلوکوں میں ایک بار پھر زور دیا ہے کہ انسان کے لئے عمل (کرم) چھوڑنا دھرم کے میں خلاف ہے۔ اعمال کی فکر شر چھوڑ کر اعمال کرنا گیتا کا بنیادی پیغام اور ہدایت ہے۔ یہی بھگوان کی مسلمہ اور اعلیٰ ہدایت ہے اور اسی بات کو بھگوان نے بار بار دہرایا ہے تاکہ ارجمن مغالطہ میں نہ رہے اور اسے اچھی طرح سمجھ کر اس کی پیروی کرے۔

فیضی صاحب اس کا ترجمہ یوں کرنے یہں

گناہ، ہست بر آدمی تک فرض

کہ برمدہ اش ہست مانند قرص

مطلوب: فرض انسان پر قرض کی مانند ہے۔ جس طرح قرض ادا کرنا ہر انسان پر فرض ہے، جو قرض ادا نہیں کرتا وہ گنگار ہے۔ اسی طرح اپنے فرض کا ادا کرنا ہر شخص پر لازمی ہے۔ جو فرض پورا نہیں کرتا وہ پست ہے۔

فرض کا ترک کرنا گناہ ہے۔ یہ فریب جمالت ہے۔

مجرم صاحب نے ان اشلوکوں کا ترجمہ یوں کیا۔

زہد و تقویٰ، بخشش و اعمال نیک و بے ریا

عاملوں کے قلب کو دیتے ہیں نورانی صفا

اس لئے ان کا نہ کرنا ہے سراسر ناروا

بلکہ دانتائی سے کرنا فرض ہے، انسان کا

بھگوان کا ارشاد ہے کہ ثمرہ اعمال کا خیال دل سے دور کر کے انسان کو چاہئے کہ اپنے فرائض کی تکمیل کرتا چلے، یہی اصل تیاگ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

فعل اور اس کے نتائج سے تعلق توڑ کر

فرض کی تکمیل اصل ترک ہے اے نامور

بھگوان نے خصوصیات کے مطابق ہی تن قسم کی عقل بیانی ہے۔ یعنی عارفانہ، دنیاوی

اور جاہل۔ (ساتویٰ، راجی اور تامسی)۔

اے ارجمن! جس عقل کے ذریعہ دھرم اور ادھرم کی ماہیت بخوبی معلوم ہو جائے، یعنی

یہ سمجھ آجائے کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں۔ دھرم کیا ہے اور ادھرم کیا۔ کس بات سے

ڈرنا چاہئے اور کس بات سے نہیں۔ نجابت کا راست کون سا ہے اور کیا چیز ہمیں بندھن

باندھ رکھتی ہے۔ اے ارجمن! جو عقل ان یا توں کو تھیک تھیک جان لے وہ عارفانہ عقل

ہوتی ہے۔ ایسی عقل انسان کو کبھی بھیکنے نہیں دیتی اور جس عقل سے دھرم اور ادھرم، جائز

فعل اور ناجائز فعل کی شناخت پوری طرح نہ ہو سکے، وہ عقل راجی (دنیاوی) ہے۔ یعنی یہ

اتیاز نہ ہو سکے کہ دھرم کیا ہے اور ادھرم کیا۔ فلاں وقت مجھے کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں،

ایسی عقل راجی ہے۔ اس کی رہنمائی میں چلنے سے بے یقینی اور ٹھوکریں ملتی ہیں اور.....

اے ارجمن! جو عقل جمالت میں گھری ہوئی ہو، ادھرم کو دھرم مانتی ہو اور اصلی

وہ حرم سے منحرف ہو، سب باتیں جسے الٹی دکھائی دیں۔ وہ تامسی عقل ہے، وہ آدمی کو ضرور پہنچیں میں لے جاتی ہے اور بتاہ و برباد کر دیتی ہے۔
ان اشلوکوں کا ترجمہ مجھ صاحب نے یوں کیا۔

آشکارا جس سے ہوں قید و نجات و امر و نبی
و صل و بھراں، ترک و اخذ، اعلیٰ و فرزانگی
حق و باطل، نیک و بد کو جو نہیں پہچانتی
درجہ اوسط کی کھلاتی ہے وہ دانشوری
حق کو باطل جانا، جھوٹے کو سچا مانا
خاص ہے یہ اے دلاور سب سے کتر عقل کا
ان کی بابت خواجہ صاحب نے یوں خن کا جارود جگایا۔

ہوں ترک و عمل، خبر ہو یا ہو شر
نجات و اسیری، لہری کہ ڈر
جو فرق و تمیز ان میں سمجھائے گی
ستوگن وہی عقل کھلانے گی
بتابے نہ جو صاف و حرم اور اوصرم
روا کون ہے، ناروا کون و حرم
تو ارجمن! نہیں ہے ستوگن وہ عقل
ہے اپنے گنوں سے رجوگن وہ عقل
گھری ہو اندھیرے میں داش اگر
جو شر کو کے خیز نیکی کو شر
ہر اک بات الٹی، ہر اک میں فتور
تموگن وہی عقل ہے بالضور

تین قسم کا سکھ

اب بھگوان تین قسم کے عزم سے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے ارجمن!
عقل کے ماند عزم بھی تین قسم کا ہوتا ہے۔ عارفانہ، دنیاوی اور جاہلانہ۔
عارف لوگوں کا عزم بھی عارفانہ ہوتا ہے، دنیاوی لوگوں کا دنیاوی، اور جاہل لوگوں کا

جاہلانہ۔

جس عزم کے ذریعے من، سانس اور حواس کو مراقبہ میں ٹھرا لیا جائے وہ عارفانہ عزم کہلاتا ہے۔

عام انسانوں کے من، سانس اور حواس میں ہمہ وقت بچل اور بے کلی رہتی ہے۔ مگر عزم کے ساتھ، دھیرے دھیرے ان سب کو شانت کیا جا سکتا ہے۔ جس عزم کے ساتھ آدمی ضبط نفس میں ترقی پاتا ہے، اس کو عارفانہ عزم کہیں گے۔
بے الفاظ خواجہ صاحب۔

اگر یوگ سے عزم ہو استوار
حس و دل و دم چہو انتیار
تو اچھا وہی عزم ارجمن! سمجھ
وہی عزم راجح ستونگن سمجھ
لوگ جس عزم کے ساتھ دنیاوی عیش و عشرت کے لئے کوشش میں لگے رہتے ہیں،
ان میں کہنے رہتے ہیں، اس عزم کو دنیاوی عزم کہتے ہیں۔
مگر عزم وہ جس میں ہو شوق زر
فرائض سے مقصد ہو فکر شر
ہوا و ہوس سے ربے الثفات
رجوگن ہے ارجمن! وہ عزم و ثبات
اور جس عزم کے ساتھ کامل آدمی کامل اور سکتی میں جلا رہتے ہیں، اس کو تامسی
(جاہلانہ) کہتے ہیں۔ جاہلانہ عزم سے آدمی کو نیند، خوف، ملال، غفلت اور بے ہودگی بڑھتی
ہے۔ سست فطرت والے آدمی کو وکی ہی پاتیں پسند ہوتی ہیں۔ وہ ہر وقت آس، نیند، غفلت
اور بے ہودگی میں لگا رہتا ہے۔ ان میں ہی کوشش رہتا ہے۔
بے الفاظ خواجہ صاحب۔

اس کے بعد بھگوان تین قسم کے سکھوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یت۔ تت۔ اگرے۔ وشم۔ او۔ پرینامے۔ امرت۔ او۔ بم

تت۔ سکھم۔ ساتوکم۔ پروتھم۔ آتم۔ بدھی۔ پرساد۔ جم

ترجمہ: اے ارجمن! جو سکھ شروع میں تو زہر کی طرح کڑوا لے اور آخر میں امرت کی
طرح میٹھا ہو اور جس سکھ سے روح اور عقل کی تسلیم ہو، وہ عارفانہ سکھ ہے۔ یہ سکھ تو
کسی خوش نصیب کے حصہ میں ہی آتا ہے۔ اور

و شے۔ اندر یے۔ سن۔ یو گات۔ بیت۔ بت۔ اگرے۔ امرت۔ او ہم

پر بنائے۔ وشم۔ او۔ بت۔ سکھم۔ راجم۔ سر تم

ترجمہ: جو سکھ خواہشات اور حواس کے ملاب سے پیدا ہو، یعنی لذت نفس کی صورت میں ہو، جو شروع میں امرت کی طرح میٹھا اور آخری میں زہر کی مانند کثرا ہو، وہ دنیاوی سکھ ہے۔ ساری دنیا اسی سکھ پر لٹو اور ندا ہو رہی ہے۔

بیت۔ اگرے۔ چہ۔ او بندھے۔ چہ۔ سکھم۔ مو ہنم۔ آتمنا

ندراء۔ آسیہ۔ پرماد۔ او۔ تم۔ بت۔ تامس۔ او۔ ہر تم

ترجمہ: جو سکھ شروع اور اخیر میں آتما کو حرص میں ڈالنے والا ہو، اور نیند، سستی اور کاہلی سے پیدا ہو، وہ تامس یعنی جاہلناہ سکھ کھلاتا ہے۔ اس سکھ سے جمالت اور بے عقلی فروغ پاتی ہے۔ عقل مولی اور کند ہو جاتی ہے۔

ان تینوں کا ترجمہ مجرم صاحب نے یوں کیا ہے۔

ابتداء میں زہر سا ہو، آخرش آب حیات

سب سے درجہ میں بڑا ہے وہ سور علم ذات

نفس کو محسوس ہو اول جو آب زندگی

سم قاتل ہے وہ آخر کار لطف دنسوی

عیش و عشرت، خواب و غور، بیدائشی و کاہلی

جس سے پیدا ہوں، وہ آسائش ہے ادنیٰ قدم کی

فطری اعمال

اس کے بعد بھگوان کرشن ارجمن کو برہمن، کھشتری، ویش اور شودر کے فطری اعمال

بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں (بے الفاظ مجرم صاحب)۔

ضبط نفس و دل صفا و نہد، صدق و اکسار

علم ظاہر، عشق باطن ہے، برہمن کا شعار

یہ برہمن کے فطری اعمال ہیں۔

کھشتری کے فطری عمل کی بابت فرماتے ہیں:

شوریم۔ تیجو۔ دھرتی۔ دا کھنی۔ یہ ہے۔ چہ۔ اپیہ۔ پلا نیم

دانم۔ ایشور۔ بھاو۔ چ۔ کھیاتم۔ کرم۔ سو بھاو۔ جم

ترجمہ: بھادری، شجاعت، رب، استقلال، ہوشیاری، جنگ میں کبھی بھی پیٹھ نہ دکھانا،

دان دینا اور حکومت کرنا کھتری کے فطری اعمال ہیں۔
بے الفاظ مجرم صاحب۔

شان، استقلال، بیانی، شجاعت، زیری کی
فیض اور فرمان روائی ہیں صفات کھتری
بھیتی باڑی کرنا، گائے پالنا، تجارت کرنا، ویش کے فطری اعمال ہیں اور برہمن کھتری،
ویش کی سیوا کرنا شور کا فطری کام۔

گلہ بانی، بھیتی اور بیوپار ہے ویشوں کا فرض
خدمت و فرمان بری ان سب کی ہے شوروں کا فرض
اگلے اشلوک میں بھگوان نے فرمایا:
سوئے۔ سوئے۔ کرمنزی۔ ابھی۔ رتا۔ سم۔ سدھم۔ بختے۔ زرا
ترجمہ: اپنے اپنے کرم (فرائض) میں لگا ہوا آدمی پرم سدھی یعنی نجات اخروی حاصل
کرتا ہے۔

سب کو ملتا ہے ادائے فرض سے اوج کمال
صاحبان! ان اشلوکوں میں بھگوان نے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ اپنے اپنے فرائض کو
پورا کرنے سے ہی انسان مکتنی پاتے ہیں۔ کرم کو چھوڑنے سے مکتنی نہیں مل سکتی۔
چنانچہ لوکماہیہ تسلیک جی اس مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اعمال میں کوئی
اویح بخی نہیں۔ اویح بخی کا فرق تو صرف خیالات و جذبات میں ہے۔ یعنی عارفانہ خیال سے
عمل کرنے والے چاہے برہمن ہوں یا کھتری، ویش ہوں یا شور، سب کے سب نجات
کے حقدار ہوتے ہیں۔

ہمانتا گاندھی جی نے بھی فرمایا کہ معاشرہ میں ایک آدمی کی ڈیوٹی جھاؤ دینے کی ہے
اور دوسرا کی حساب کتاب رکھنے کی۔ حساب رکھنے والا ہر چند برتر ہی سمجھا جائے گا۔
لیکن جھاؤ دینے والا اگر اپنا کام چھوڑ دے تو حساب رکھنے والے کے لئے بھی اپنا کام
مشکل ہو جائے اور معاشرہ کو نقصان پہنچے۔ ایشور کے ذوبار میں دونوں کی خدمت کا صلم ان
کی نیتوں کے مطابق دیا جائے گا۔ اگر دونوں اپنا اپنا فرض بے لوث ہو کر ادا کر کے اسے
پرانتا کی نذر کر دیں تو دونوں ہی یکساں طور پر نجات کے مستحق ہوں گے۔
اس سے آگے بھگوان کرشن ارجمن سے یوں کہتے ہیں: "اے ارجمن! میرا بھگت (معتقد)
انیادی کار، بار کرتا ہوا بھی مکت ہو جاتا ہے اور نجات حاصل کر لیتا ہے۔"

میرا بندہ کاروبار دنسی کرتا ہوا
 میری رحمت سے ہے رہو منزل جاوید کا
 "اس لئے ارجمن! تو میرا کتنا مان کر جنگ میں لگ جا، اور اپنا کھشتری دھرم پورا
 کر۔ اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو پالی بنے گا۔"
 چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر تو نے انسانیت (اہمکار) کے باڑ میں آکر میرا کتنا نہ مانا اور جنگ
 میں شامل نہ ہوا تو تباہ ہو جائے گا۔

گر تو میری اس شخصیت پر نہ ہوگا کاربند
 زعم سے اپنے فتا ہو جائے گا اے ہوشمند
 اس کے بعد بھگوان نے ارجمن سے یوں کہا، اے ارجمن۔
 میری خاطر کر ریاضت، مجھ میں اپنا دل لگا
 میرے پیارے مجھ کو دے تعظیم، مجھ پر ہو فدا
 تجھ سے میں کرتا ہوں وعدہ اس کو سچا جان لے
 بہرہ در ہوگا تو آخرکار میرے وصل سے
 نقش ہستی کو مٹا دے، سایہ رحمت میں آ
 بخش دوں گا تجھ کو میرے قول پر ایمان لا
 اے ارجمن! تو میرا حکم مان اور مجھ میں دل لگا کر جنگ میں جٹ جا۔ میں تجھے تمام
 گناہوں سے ماورا کردوں گا۔

پھر بھگوان کرشن ارجمن سے پوچھتے ہیں: "اے ارجمن! کیا تو نے میری ہدایات کو پوری
 توجہ سے نہ؟ کیا تجھ میں لاعلمی کی وجہ سے جو محبت کے جذبات پیدا ہوئے تھے، وہ اب دھل
 گئے ہیں، یا باقی ہیں؟"

کیا میری تقریر گوش ہوش سے تو نے سنی؟
 ہٹ گیا کیا تیرے دل سے پرده وہم خودی؟
 اس پر ارجمن بولا: اے بھگوان!

شتو۔ موهہ۔ سرتنی۔ لبدھا۔ توت۔ پرسادات۔ میا۔ اچیت
 سختو۔ اسکی۔ گت۔ سندھیما۔ کرشمے۔ و پننم۔ تو

ترجمہ: آپ کی میرانی سے میرا ذر خوف بالکل مت گیا ہے۔ اب میں بخوبی کہج گیا
 ہوں۔ میرا شک دور ہو گیا ہے۔ میں آپ کا حکم بجا لاؤں گا۔

بے الفاظ مجر صاحب۔ روشن ہو گئی

آپ کی برکر منقلال حقیقت جان لی

میں نے ہر ارشاد لاؤں گا بجا

محض کو بھینکا ہوا کمان (دھنس) پھر سے اٹھا لیا۔ اور پوری

سمرگرنی سے لے لائیں آخری اشلوک ہے:

ترسدہ بھاں و را کر شنور۔ تر۔ پار تھ۔ دھنس۔ دھرا

تتر۔ شری۔ وجے۔ بھوتی۔ دھروا۔ سنتی۔ متی۔ مم

ترجمہ: سچے راجہ دھرت راشر سے کہتا ہے: "اے ارجمن! اور کیا کہوں؟ جس طرف
یو گیشہر شری بھگوان کرشن ہیں اور دھنس و دھاری (ماہر تیراندازی) ارجمن ہے، اس طرف
تو فتح ہی فتح ہے۔ اقبال ہی اقبال ہے۔ سعادت ہی سعادت ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے۔

جدھر ہیں کرش مہماں

یو گیشور ہیں خود جہاں

جدھر ہے صاحب کمان

وہ ارجمن ایسا پلواں

وہیں ہیں شاد کامیاب

وہیں خوش انتظامیاں

وہیں ہیں کامرانیاں

وہیں ہیں شادماںیاں

تو صاحبان! اس اشلوک کے مفہوم کو بخوبی واضح کرتے ہوئے لوگانیہ تسلیک جی مہاراج

کتاب "گیتا رہیہ" میں لکھتے ہیں: فتح دہاں ہو گی، جہاں قوت اور حکمت عملی دونوں جمع

- اکیلی حکمت عملی یا اکیلی طاقت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ حکمت عملی کے بغیر طاقت

اور طاقت کے بغیر حکمت عملی بیکار۔ ان دونوں کے ملاپ سے ہی نصرت و فتح ملتی

یہ دونوں اکٹھی نہ ہوں فتح مشکل ہے۔"

رسیں سے پیسی درخواست ہے کہ اپنے اندر قوت اور حکمت عملی پیدا

کی قوت اور اس پر عمل کرنے کی حکمت عملی، پھر تو فتح ہی فتح ہے۔

بے بو

گیتا

صاحبان! یہ ہے گیتا کی شان۔ گیتا کی پندوں نے مایوس ہو کر پھینک دیا تھا۔ اس سے بڑھ کر کیا بُور ہے وہ کمان انہوا لیا جو اس حق پر کی خاطر جنگ کرنے کا درس دیتی ہے، نہ کہ دنیا سے بھوکہ کے گیتا وہ مرد یہ یعنی آشنا کو چھوڑ کر اپنا فرض پورا کرنا گیتا کا مرکزی مضمون ہے جس کو کام پھل کی امید ہے۔ اسی لئے اس کو بے لوٹ عمل کی کتاب (کرم یوگ شاستر) کہا جاتا ہے۔ گیتا کا مرکزی خیال ”پیغام عمل“ ہے۔ بہ الفاظ خواجه دل محمد صاحب گیتا کہتی ہے۔

تجھے کام کرنا ہے او مرد کار
نہیں اس کے پھل پر تجھے اختیار
کئے جا عمل اور نہ ڈھونڈ اس کا پھل
عمل کر، عمل کر، نہ ہو بے عمل

گیتا کا اصل پیغام یہ ”پیغام عمل“ ہی ہے۔ مہاتما گاندھی کا بھی فرمان ہے کہ ”بے لوٹ عمل ہی گیتا کا مرکزی موضوع ہے۔ بھگتی اور گیان وغیرہ کو اس کے اردو گرد سجاوٹ کے لئے چنانچہ گیا ہے۔“

اوہم ت است

